سلطان المراثی درحال حضرت قاسمؑ

خدائے سخن مولانا نواب سید مہدی حسین ماہرؔ اجتہادی

(بند ۵۰۰) حصہ اول (بند ۲۴۹، پورا مرثیہ کرم خوردہ وشکستہ)

(۱)

ازل سے عقد زبان وسخن ہے عالم میں
اسی سے زینت ہر انجمن ہے عالم میں
اسی سے نظم بھی رشک چمن ہے عالم میں
یہی ہے رات جو شہرت فگن ہے عالم میں
خدا کی شان یہ دن ہو تورات ہو پیدا
بندھے یہ عقد تو باتوں میں[1] بات ہو پیدا

(۲)

یہ کس کے عقد کی دنیا میں رات آئی ہے
کہ جس کے حسن پہ مرنے حیات آئی ہے
عجیب عقد ہے طرفہ برات آئی ہے
سخن کے ساتھ زباں کی بھی بات آئی ہے
مریں نہ لوگ تو شکل حیات بھی نہ بنے
نہ ہو یہ عقد، تو دنیا میں بات بھی نہ بنے

(۳)

یوں ہی ازل سے چلی آتی ہے جہاں میں یہ بات
اسی میں خلق کا ہے انحصارِ لطفِ حیات
اسی پہ خود تھے موکد رسولؐ بابرکات
یوں ہی بسر ہوئی زہراؑ و مرتضیٰؑ کی حیات
اسی میں صورت عقدین بھی تھی خرق بھی تھا
مگر ہر اک میں زمین آسماں کا فرق بھی تھا

(۴)

غرض یہ عقد جو منظور کبریا کو ہوا
خطور خطبہ زہرا کا مرتضیٰؑ کو ہوا
فراق عقد سے واں عالم سما کو ہوا
یہاں بھی وحی ہوئی علم مصطفیٰؐ کو ہوا
علیؑ بھی اتنے میں آئے تو کچھ نبیؐ سمجھے
نبیؐ کے طرز تبسم سے کچھ علیؑ سمجھے

(۵)

خوشی کی طرح ہوئے جبکہ حاضر خدمت
جھکا تھا شرم سے سر بات کی نہ تھی طاقت
اب ابتدائے سخن کی یہاں ہو کیا وقعت
سکوت ہے نہ گوارا نہ عرض کی قوت
خیال برہی طبع پاک تھا دل میں
خدا کی شان کہ مشکل کشا تھے مشکل میں

(۶)

وہاں خوشی کا یہ نقشہ یہاں کی یہ صورت
(زبان سے کہو دل کی سمیٹ کر قوت)
چھپے جوراز تو کیوں کر کہ دال ہے حالت
کہا نبیؐ نے کہو نا جولائے ہو حاجت
یہ جانتا ہوں کہ جو فکر ہے وہ عالی ہے
تمہاری بات کبھی میں نے سن کے ٹالی ہے

(۱) سے

(۷)

ادب سے جوڑ کے ہاتھوں کوشیر حق نے کہا
کہ والدین مرے ان عنایتوں پہ فدا
ہے ابتدا سے یہ مکشوف خاطر والا
کہ صغر سن سے اسی ظل عاطفت میں رہا
عنایت ایسی کسی ماں نے کی نہ باپ نے کی
وہ والدین نہ کرتے جو شفقت آپ نے کی

(۸)

ادائے شکر میں گویا زبان ہے قاصر
خفی ہے راز میں مکشوف خاطر عاطر
اور استطاعت ذاتی بھی صاف ہے ظاہر
ہوا ہوں جس لئے حاضر حضور ہیں باہر
زباں سے نام (لوں کس طرح جب کہ لال ہوں میں)
اب اور کیا کہوں بے خانہ وعیال ہوں میں

(۹)

کہا نبیؐ نے میں سمجھا جو بات پیدا ہے
تمہیں وہ عرض تو مجھ کو قبول و زیبا ہے
کہو وہ شوق سے جو خاص دل کا ایما ہے
جو امر شرع ہے اس میں مضائقہ کیا ہے
وہ اور لوگ تھے، تم کو میں کھو نہیں سکتا
تمہارے امر میں انکار ہو نہیں سکتا

(۱۰)

علیؑ ہے نام یوں ہی ہے بلند رتبہ ذات
کہو کچھ اور تو حاصل ہو تم کو تازہ حیات
فلک سے روح امیں آئے صورت برکات
ابھی ابھی کا ہے یہ ذکر ابھی ابھی کی ہے بات
غرض عجب سخن طرفہ واردات کہی
سلف سے جو نہ ہوئی تھی کبھی، وہ بات کہی

(۱۱)

کہ یا نبیؐ تمہیں یہ امر بھی ہے خوب جلی
ہماری بات نہ ٹالے سے بھی کسی کے ٹلی
انہیں ہماری ولا ہے تو ہم ہیں ان کے ولی
کنیز خاص ہے زہراؑ تو عبد خاص علیؑ
پڑھا جو ہم نے تو خود لوح اور قلم نے پڑھا
زمیں پہ عقد پڑھو تم، فلک پہ ہم نے پڑھا

(۱۲)

خبر یہ کیوں دل حساد کو نہ ناوک ہو
وہی ہے خلق میں سودا وہ جس کا گاہک ہو
خدا کی شان کہ ایسی خبر اچانک ہو
فلک سے آ کے فرشتے کہیں مبارک ہو
سرور دل میں جو اس تہنیت کے آنے لگے
رسولؐ ہنسنے لگے آپ مسکرانے لگے

(۱۳)

کہا نبیؐ نے یہ کچھ واں ہو یاں اثر بھی نہ ہو
تھی ان کی عرض جہاں وہم کا گذر بھی نہ ہو
کہا نبیؐ نے کہ جس بات پر نظر بھی نہ ہو
تمہارا عقد ہو اور تم کو کچھ خبر بھی نہ ہو
کہا انہوں نے یہ دھیان اور ہوش کھوتے ہیں
جہاں میں اوپر ہی اوپر یہ عقد ہوتے ہیں

(۱۴)

غرض یہ عقد مبارک جو کبریا نے پڑھا
درود آلؑ پہ ارواح انبیاؑ نے پڑھا
خوشا وہ عقد جسے خالق سما نے پڑھا
اِدھر نبیؐ نے پڑھا اُس طرف خدا نے پڑھا
کسی کو غیر علیؑ یہ نہ اختصاص ہوا
یہ عبد خاص تھے ایسے کہ عقد خاص ہوا

(۱۵)

فلک کے بعد زمین تھی مقام شادی کا
ملائکہ نے کیا انتظام شادی کا
محل میں کرتی تھیں حوریں بھی کام شادی کا
خدا نے یاں بھی کیا اہتمام شادی کا
ادھر کے لوگ جو تھے اپنی اپنی خدمت میں
نبیؐ بھی بیٹھے تھے غیروں کی طرح صحبت میں

(۱۶)

سب اک مقام پہ حوریں تھیں انجمن کی طرح
عذار جن کے تھے نسریں ونسترن کی طرح
بندھا جو عقد یہ گلدستہ چمن کی طرح
بہشت بھی ہوئی آراستہ دلہن کی طرح
یہ صورتیں تھیں جناں کے جمال زیبا کی
کہ آنکھ پڑنے لگی خود علیؑ سے دولہا کی

(۱۷)

وہ قدسیوں کا پئے اہتمام ایاب و ذہاب
وہ باتیں حوروں کی باہم وہ ہم دگر کے خطاب
ادا کسی کی وہ بے باک جس سے دل بے تاب
کسی کی آنکھ کے پردوں میں خودنہاں تھا حجاب
(وہ کم سخن نہ جنہیں بات نرم بھی آئی
پسینہ آگیا ان تک جو شرم بھی آئی)

(۱۸)

وہ اعتدال قدوں کا کہ پست اور نہ بلند
وہ پیچ گیسوے پرخم میں جودلوں کو کمند
انہیں کے عشق نے پہنچائی ہے دلوں کو گزند
بشر پہ کیا ہے ملائک کی بھوک پیاس ہے بند
انہیں کا دھیان دم مرگ بھی گذرتا ہے
اجل کہاں کہ زمانہ انہیں پہ مرتا ہے

(۱۹)

کہا کسی نے بہن آج ماجرا ہے کیا
بہشت یوں کبھی آراستہ نہیں دیکھا
جناب روح امیں کا عجیب ہے نقشہ
کبھی زمیں پہ ہیں گہہ سوئے عالم بالا
ہزار کچھ ہو بہن لاکھ خوش نہادی ہو
زمیں کے لوگوں کی اورآسماں پہ شادی ہو

(۲۰)

کہا کسی نے کہ تم بھی ہوکس قدر ناداں
زمیں کے لوگوں میں شامل ہوں یہ خدا کی شاں
انہیں کے وصف میں گویا ہوئی خدا کی زباں
انہیں کے نام پہ ہم سب کی جانیں ہیں قرباں
اسی کو دیکھ لو یہ طرز رسم و راہ کیا
یہ ایسے لوگ ہیں جن کا خدا نے بیاہ کیا

(۲۱)

خدا کا نور نہ کیوں ان کو باتمیز کہیں
خدا کا دوست ہو وہ یہ جسے عزیز کہیں
ملک کو ان کے مقابل نہ کوئی چیز کہیں
ہمیں تو فخر اسی کا ہے گر کنیز کہیں
انہیں کے واسطے نہریں جہاں میں جاری ہیں
یہی بتولؑ ہیں بی بی یہی ہماری ہیں

(۲۲)

خدا نے مرتبے ان کے کئے ہیں ایسے عظیم
کہ باپ ہوکے نبیؐ ان کی کرتے ہیں تعظیم
حیا انہیں کی اڑا لائی ہے جناں کی نسیم
یہی زمانے میں پردہ نشیں ہیں مثل شمیم
کھلے جو حال تو کیا ان کے حسن وصورت کا
ہوا سے بھی کبھی پردا کھلا نہ نکہت کا

(۲۳)

غرض گذر گیا اس ذکر کو بھی جب عرصہ
ہوئے نواسوں کے ہونے سے خوش رسولؐ خدا
یہاں تلک کہ جواں بھی ہوئے وہ ماہ لقا
حسنؑ نے بعد ام و اب سفر عدم کا کیا
لکھا ہے فرقت قاسمؑ کا داغ لے کے گئے
پسر کا بھائی کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کے گئے

(۲۴)

حسنؑ کے لال سے کیا شاہؑ دیں کو الفت تھی
مدام لطف تھا، اشفاق تھا، عنایت تھی
انہیں سے صورت آرام انہیں سے راحت تھی
انہیں پہ خاص توجہ انہیں پہ شفقت تھی
کہیں نہ فرط محبت سے راہ پھرتی تھی
جدھر یہ پھرتے تھے ساتھ ہی نگاہ پھرتی تھی

(۲۵)

ہر ایک گو قمر فاطمہؑ کا ہالہ تھا
مگر کچھ ان کا تو انداز ہی نرالا تھا
پسر حضور کا زینبؑ کا زلفوں والا تھا
انہیں توآپ نے خود گودیوں میں پالا تھا
یہی تھا قول کہ کیوں کر نہ ہو خیال مجھے
نہ بھائی ہوں گے نہ ایسا ملے گا لال مجھے

(۲۶)

کہا کسی نے بھتیجا، تو ان کو بار ہوا
کمال طبع ہمایوں کو ناگوار ہوا
ملال روئے مبارک سے آشکار ہوا
گر اتفاق سے روئے تو دل نثار ہوا
جفا کی گود میں دل دردناک کرنے لگے
ردائے پاک سے اشکوں کو پاک کرنے لگے

(۲۷)

یہی تھا حکم کہ نور نظر انہیں سمجھو
حسنؑ کا حسن ہے رشک قمر انہیں سمجھو
جدا کہو بھی نہ لخت جگر انہیں سمجھو
حسنؑ کی جا ہوں تو میرا پسر انہیں سمجھو
فقط پسر کو جہاں میں اگر پسر کہتے
رسولؐ پھر نہ مجھے پارۂ جگر کہتے

(۲۸)

خلاف کہہ کے غضب (میں) نہ مجھ کو لائے کوئی
نظیر اگر ہو کہیں تو مجھے دکھائے کوئی
بھتیجا کہہ کے نہ دل کو مرے دکھائے کوئی
پسر میں فرق ہی کیا ہے مجھے بتائے کوئی
خدا کی شان کہ یہ پارۂ جگر نہ ہوئے
حسنؑ کی جا ہوں تو کیوں کر مرے پسر نہ ہوئے

(۲۹)

حسنؑ نے کیا کی جو میں نے نہ ان پہ کی شفقت
تمام دن مجھے کٹتا ہے دیکھتے صورت
ایک اعتبار سے اکبرؑ پہ تھی انہیں سبقت
حسنؑ شبیہ نبیؐ تھے حسنؑ کی یہ صورت
ہوا کریں جو شبیہ رسولؐ اکبر ہیں
جہاں شباہتیں دو ہیں وہ اک سے بہتر ہیں

(۳۰)

بغیر ان کے مری لذت حیات نہیں
صفت کا ذکر ہے کیا کون سے صفات نہیں
کمائی بھائی کی یا میری کائنات نہیں
پسر میں کیا ہے جو قاسمؑ میں میرے بات نہیں
مرے صفات بھی ہیں، بھائی کا کمال بھی ہے
گہر وہ ہے جو زمرد بھی اور لال بھی ہے

(۳۱)

یونہی جو انس پیمبرؐ کا لال کرنے لگا
ہر اک کچھ اپنی جگہ احتمال کرنے لگا
کوئی کسی سے جواب وسوال کرنے لگا
بقدر فہم ہر اک، اک خیال کرنے لگا
کچھ اختلاف تو کچھ اتحاد ہوتے تھے
غرض جہاد میں واں اجتہاد ہوتے تھے

(۳۲)

جہاں یہ تھا وہیں یہ بھی کلام تھے یارب
اگر چہ فکر کا ہم کو کوئی نہیں منصب
بس اس بنا پہ خیالات واحتمال ہیں سب
ہمارے کیوں نہیں آیا سمجھ میں یہ مطلب
غرض یہ ہے کہ ملے لذت حیات کوئی
شریک ہم بھی ہوں گر ہو خوشی کی بات کوئی

(۳۳)

کہا کسی نے کہ زینب کے گلبدن بھی تو ہیں
برادران علمدار صف شکن بھی تو ہیں
انہیں پہ حصر نہیں اور سیمتن بھی تو ہیں
یتیم کہئے تو عبد اللہ حسنؑ بھی تو ہیں
جو اصل بات ہے موقوف غور پر وہ نہیں
یہ کیا جو ان پہ عنایت ہے، اور پروہ نہیں

(۳۴)

یہ کچھ نہیں ہے تو آخر یہ بات یوں ہی ہے؟
یہ دم بدم کا بیان صفات یوں ہی ہے؟
کہے یہ کون کہ لطف حیات یوں ہی ہے؟
امام وقت کا اورالتفات یوں ہی ہے؟
ہماری رائے یہ لکھ رکھو راہ یہ وہ ہے
نبیؐ کی تھی جو علیؑ پر نگاہ، یہ وہ ہے

(۳۵)

کہا کسی نے کہ امر رسولؐ ہے کوئی
(مراد) خاص علیؑ و بتولؑ ہے کوئی
اسی میں صورت حسن و قبول ہے کوئی
وصیت حسنؑ دل ملول ہے کوئی
خدا دکھائے اسے بھی جو ہم نے پایا ہے
غرض جو کچھ ہے وہ من جملہ وصایا ہے

(۳۶)

کہا کسی نے وصیت کا یاں ہے کون محل
بلائیں پیش ہیں ہوش وحواس میں ہے خلل
خود اہلبیت نبیؐ کے دلوں کو بھی نہیں کل
علاوہ اس کے مدینہ میں تھا محل عمل
محال کیوں نہ ہو اجرا یہاں وصیت کا
لقب شریعت سہلا ہے اس شریعت کا

(۳۷)

جو تھے بھی تو امم سابقہ میں تھے یہ امور
شریعت نبوی کا تو یہ نہ تھا دستور
مگر جہاں یہ ہے، یہ بھی سنا گیا ہے ضرور
امور سخت پہ معصوم ہوتے تھے مامور
نبیؐ کی جا ہیں تو خاموش رہ نہیں سکتے
یہ بات گر ہے تو کچھ اس میں کہہ نہیں سکتے

(۳۸)

عجب نہیں کہ ہو بنت علیؑ کو اس کی خبر
وہی ہیں واقف اسرار شاہ جن وبشر
انہیں سے کہتے بھی ہیں آپ راز دل اکثر
بہن بھی وہ کہ جو بنت شفیعہ محشر
نجانے کیا انھیں شاہؑ زماں سمجھتے ہیں
بہن ہیں نام کو، ان کو وہ ماں سمجھتے ہیں

(۳۹)

کسی سے پوچھئے اب کیا کہ علم ہے معدوم
ہر ایک کے عدم واقفی کو یاں ہے عموم
یہ بات اور بھلا کس سے ہوسکے مفہوم
جناب حضرت عباسؑ کو نہیں معلوم
مراتب ان کے جو کچھ ہیں وہ سب ہویدا ہیں
بڑے بڑوں کو خبر جب نہیں تو ہم کیا ہیں

(۴۰)

کہا کسی نے کہ اچھا پر اس میں عذر ہے کیا
غلام ہم ہیں ہمیں بھی سکوت ہے زیبا
پُراز مصالح وحکمت ہے جو ہے کار ان کا
امام وقت کے امروں میں دخل ہے بیجا
ہمیں یہ چاہئے کہنا کہ بول بالا ہو
چچا بھتیجوں کے حق میں جو کچھ ہو اچھا ہو

(۴۱)

نُہم کا دن انہیں باتوں میں جب تمام ہوا
سیاہی سی نظر آئی ظہور شام ہوا
مثال عمر نمازوں کا اختتام ہوا
حرم میں داخلۂ شاہ خاص وعام ہوا
وہ فاطمہؑ کی جگہ تھیں علیؑ یہ گویا تھے
نگاہیں کہتی تھیں ساری بہن کے جو یا تھے

(۴۲)

فلک کے چشم سے جب اشک آفتاب گرا
بلند طاق سے جام شراب ناب گرا
سواد شب میں وہاں شیشۂ گلاب گرا
حرم کے قلب پہ یاں کوہ اضطراب گرا
نہ جانے کس لئے راحت کا بند باب ہوا
گرا گلاب یہ کیسا کہ قحط آب ہوا

مطلع (۴۳)

چراغ شام فلک پر جب آفتاب ہوا
سواد شب رخ عالم پہ اک نقاب ہوا
ہوا تو قلب کا یوں افتتاح باب ہوا
وفور ضعف سے ہر قلب آب آب ہوا
خدا کی شان! یہ حالت نبیؐ کے جانی کی
کہ ڈوبیں دل تو نظر آئے شکل پانی کی

مطلع (۴۴)

جہاں میں جب شب عقد بن حسن آئی
ادا سے شمع ہر اک سوئے انجمن آئی
زمین پہ روشنی ماہ ضو فگن آئی
وہ رات آئی کہ اک چاند سی دلہن آئی
اُسی کے حسن پہ سب آشکار ہوتے ہیں
ستارے ٹوٹ کے اب تک نثار ہوتے ہیں

(۴۵)

فروغ سب تھے وہ کبریٰ سی شاہزادی کے
تمام حسن تھے قاسم بنے کی شادی کے
اشارے تھے یہی انجم کی خوش نہادی کے
یہاں بھی داغ ہیں دونوں کی نامرادی کے
گرہ ہیں یاد کی یہ سب بھی جب تلک دم ہے
یہ شادی (آج کی بس) یادگار عالم ہے

(۴۶)

بیاں ہو کیا شب شادی کی رونق وزینت
وہ چاندنی کی تجلی، وہ نجم کی صحبت
زر نجوم کی یہ صاف کہتی تھی حرکت
قمر بھی تھا اسی شادی کا کاسۂ شربت
یہ کس خبر کی زمیں سے رسائی ہوتی تھی
کہ آسماں پہ بھی شربت پلائی ہوتی تھی

(۴۷)

بطون بزم میں اس ضو نے کی تھی آمیزش
دکھائی دیتی تھی جو سب کے دل میں تھی خواہش
وہ بزم اور وہ صحبت، وہ حسن و آرائش
زمیں پہ کرتی تھی چشمک یہ نجم کی گردش
وہاں تو رخت جواہر نگار بٹتے تھے
یہاں بھی تو اسی شادی کے ہار بٹتے تھے

(۴۸)

نجوم چرخ نے پایا تھا آسماں پہ محل
کہ پہنے تھا کوئی معشوق جانستاں ہیکل
وہ چاندنی کی صفائی وہ نور کا جنگل
سواد شب تھا کہ لیلیٰ کی آنکھ کا کاجل
نجوم شب سے خجل موتیوں کی لڑیاں تھیں
خطوط نور تھے یا سمدھنوں کی چھڑیاں تھیں

(۴۹)

وہ شب تھی مرتبۂ روز جس نے پایا تھا
کہ دھوپ چاندنی تھی اور سواد سایہ تھا
گلوں کی بو نے الگ شہر اک بسایا تھا
عجب تھی بزم جہاں عطر کھنچ کے آیا تھا
(ہوا کے نام سے جب دم ملک بھی دیتے تھے[۱]
خطوط نور کے ماہی بلائیں لیتے تھے)

(۵۰)

نہ کیوں ہو ناز و تفاخر میں شب کا حق بطرف
ردا میں کاہکشاں کی تھا آرسی مصحف
وہ نور دیدۂ حضرت، یہ مجتبیٰ کا خلف
حسب نسب کو جو پوچھو تو دونوں در نجف
بیان لعل تھا مجھ کو بھی یہ ہنر نہ ملے
چراغ لے کے میں ڈھونڈھوں تو یہ گہر نہ ملے

(۵۱)

بنے کے فرق پر ڈالا تھا بہنوں نے آنچل
فلک پہ کاہکشاں کا نہ دل ہو کیوں بے کل
بھرا تھا کان میں کچھ شور خادمات محل
جبھی کی جاگ سے اب تک ہے خواب میں مخمل
خوشی وہ کیا تھی جسے آج تک بھی روتے ہیں
جبھی کی جاگ سے شب کے نصیب سوتے ہیں

(۵۲)

یہی تھی رات کہ بیٹھے ہوئے تھے چپ حضرت
میان پردگیانِ طہارت و عصمت
ادھر ادھر کے سخن تھے عجیب تھی صحبت
اسی میں آئی بزرگوں کے ذکر کی نوبت
اسی طرح سے غم و درد کا مقام لیا
شدہ شدہ حسن مجتبیٰؑ کا نام لیا

(۵۳)

اسی طریق سے تھا منتقل وہ ذہن رسا
کہ دھیان آگیا حضرت کو ایک شادی کا
بہن سے کہنے لگے مسکرا کے شاہ ہدا
کہ ہاں بہن مجھے اک امر خوب یاد آگیا
کہوں نہ کیوں کہ عجب درد دل پہ سہتا ہوں
حجاب گرچہ ہے مانع مگر میں کہتا ہوں

(۵۴)

مجھے تو یاد ہے تم کو بھی احتمال ہے کچھ
کبھی مآل تھے کچھ اور اب مآل ہے کچھ
زمانہ جانتا ہے کچھ یہاں کا حال کچھ
مگر کسی کی وصیت کا بھی خیال ہے کچھ
کرو وہ کام کہ کھل جائیں کچھ ہی ہاتھ مرے
اور............وہ تو ہے دم کے ساتھ مرے

(۱) ہوا کے نام سے جب دم تلک بھی دیتی تھی — خطوط نور کی ماں بھی بلائیں لیتی تھی

(۵۵)

تمہیں بتاؤ کبھی گھر میں شاد بھی آیا
اسیر یاس بھی اور نامراد بھی آیا
انہیں بلاؤں میں وقت جہاد بھی آیا
کہو حسنؑ کا کچھ ارشاد یاد بھی آیا
عظیم امر میں اور دیر، کس خیال میں ہوں
خدا ہی خوب ہے واقف میں جیسے حال میں ہوں

(۵۶)

کہا یہ شہ نے سبکدوش آج ہوں کیوں کر
رہی ہو دل میں نہ طاقت تو غم سہوں کیوں کر
محل نہ پاؤں جو کوئی تو کچھ کہوں کیوں کر
وجوب ہو متعلق تو چپ رہوں کیوں کر
غرض مری یہ نہیں غم میں سہ نہیں سکتا
کشاکشی ہے کچھ ایسی کہ کہہ نہیں سکتا

(۵۷)

سمجھ کے دل میں حسنؑ والے واں سے ہٹ گئے سب
دلہن کی ماں رہیں واں ایک اور اک زینبؑ
ملا محل تو یہ فرمایا آپ نے بطرب
عجب نہیں ہے کہ سمجھی ہو کچھ مرا مطلب
غرض غضب کی ہے یہ جا مقام آفت کا
محل ہے اب کہ کہو امر ہے وصیت کا

(۵۸)

وہاں تھے باتوں میں مصروف شاہ نیک نہاد
کہا بہن نے وصیت حسنؑ کی ہے مجھے یاد
کہا یہ شہ نے وصیت سے تھی یہ ان کی مراد
کہ کربلا میں جب آئے حسینؑ وقت جہاد
زمانہ روئے گا تا حشر نامرادی کو
نہ بھولنا مرے قاسمؑ بنے کی شادی کو

(۵۹)

ضرور حجت ثانی میں ۔۔۔۔۔ہوگی
اِدھر (کی رائے) اُدھر کی یہ مشورت ہوگی
ہر اک صلاح میں ان کی صلاحیت ہوگی
امام وقت تھے اس میں بھی مصلحت ہوگی
جو کچھ کہا تھا وہی کربلا میں پایا ہے
اٹھو بہن اسی شادی کا وقت آیا ہے

(۶۰)

غرض مری یہ نہیں ہے کہ اہتمام نہ ہوں
امور خاص نہ ہوں یا رسوم عام نہ ہوں
برات آئے نہ یا اور اہتمام نہ ہوں
خلاف حکم خدا جو ہوں ہاں وہ کام نہ ہوں
کرو وہ کام کہ غل کائنات میں ہوجائے
مگر جو کچھ ہو وہ آج ہی کی رات میں ہوجائے

(۶۱)

کہا بہن نے جو ارشاد ہو وہ کام کروں
میں اور امر اولی الامر میں کلام کروں
مگر یہ فکر ہے گو لاکھ اہتمام کروں
اس ایک رات میں کیا کیا میں انتظام کروں
میں سمجھی تھی مرے بچے کو آپ بھول گئے
کھلے جو پھول تو یاں ہاتھ پاؤں پھول گئے

(۶۲)

کہا بہن نے نہیں بات کی بھی تو مہلت
نہ یہ کہ امر یہ، وقت ایسا اور یہ حالت
مگر میں تابع فرماں ہوں ہر طرح حضرت
عجب نہیں کہ کچھ ارشاد کی بھی ہو برکت
ہنسی نہیں ہے یہ بیٹی کی بات ہے بھائی
بہت سے کام ہیں اور تھوڑی رات ہے بھائی

(۶۳)

بلا بلا پہ یہ جس کے عوض میں ڈالی تھی
فلک نے کیا کوئی حسرت مری نکالی تھی
کنیز رب ہوں کبھی فاطمہؑ کی پالی تھی
حضور آپ سے تو میں یہ کہنے والی تھی
اندھیری رات ہے ایسے میں یاں سے ٹل چلئے
بہن نثار کسی سمت کو نکل چلئے

(۶۴)

علاوہ اس کے یہ قید آپ نے جو فرمائی
مجھے حضور کی باتوں سے بو کچھ اور آئی
بچیگی اب نہ کسی طرح سے یہ مانجائی
کہاں میں آپ کو لے جاکے چھپ رہوں بھائی
محال ہے کہ مرے دل کا مدعا نہ ملے
ہو (ذکر) وہ کوئی ایسا جہاں پتا نہ ملے

(۶۵)

ہمیں بھی چھوڑ دیں حضرت اگر کہا مانیں
بلا سے خاک بیاباں کی بیبیاں چھانیں
حضور ذات مقدس کو اپنی پہچانیں
یہ جان اور ہے، ہم سب کی اور ہیں جانیں
یہ دم بچے گا تو ہم سب بھی چین پائیں گے
رہے اب اور وہ سب آگے پیچھے آئیں گے

(۶۶)

یہ (سن) کے، ڈر سے۔۔۔۔زبوں صفات چلی
چلا وہ ذکر کہ۔۔۔۔کائنات چلی
اُدھر تو پائے شعاع قمر سے رات چلی
اِدھر قدم جو زبانوں نے پائے بات چلی
بیاں میں جب تھی روانی جہاز بادی کی
لبوں کے پر سے خبر اڑ رہی تھی شادی کی

(۶۷)

غرض جب اٹھ کے (گئے) آپ اور دھوم ہوئی
ہر ایک کو خبر میمنت لزوم ہوئی
پھرے نصیب بھی یوں گردش نجوم ہوئی
جو بات خاص جگہ تھی علی العموم ہوئی
بدن کے رنگ کے مانند گفتگو پھوٹی
کھلے جو پھول دلہن کے تو گھر میں بو پھوٹی

(۶۸)

خبر کسی سے ملی دلبر حسنؑ کو بھی
یونہی خوشی ہوئی اطفال سیمتن کوبھی
اسی طرح سے کھلا ساری انجمن کو بھی
یہاں تلک کہ خبر ہو گئی دلہن کو بھی
کہا یہ شرم نے کیا کررہی ہو یاں بیٹھی
جھکا کے سر کو دلہن اک طرف کو جا بیٹھی

(۶۹)

بنے کی ماں پہ کھلے جب تلک یہ صدق خبر
عجیب طرح کی الجھن میں پھرتی تھی ششدر
یہ دل کا حال تھا بسمل کی طرح تھا مضطر
کہ اک خواص نے اعلان سے کہا آکر
خوشی تو جب ہو یہ (تڑکے) ضیاؤں میں لاؤ
بہو کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں لاؤ

(۷۰)

سبب یہ ہے کہ یہ ناشاد شاد آئی ہے
وصیت حسنی شہؑ کو یاد آئی ہے
شب محبت لطف و وداد آئی ہے
دلہن کو لے کے کسی کی مراد آئی ہے
بہو کی وضع بھی کیا سادی سادی ہوتی ہے
سنا ہے آپ نے قاسمؑ کی شادی ہوتی ہے

(۷۱)

خبر یہ پہلے میں ہی لائی ہوں سنا صاحب
نہ (بھول جا) یئے گا حق کہیں مرا صاحب
بنے کی ماں نے کہا کہ سن کے کیا کہا صاحب
مرا یہ منہ کہ بہو بیاہ لاؤں، نا صاحب
حواس باختہ (ہم) ہیں عجیب ایسے ہیں
وہ اور لوگ ہوں جن کے نصیب ایسے ہیں

(۷۲)

نظر میں تاڑ گئے بات جب نظر والے
کمال خوش ہوئے نوشاہ سیمبر والے
پھرے جب اور خبر لے کے کچھ خبر والے
سب ایک ہوگئے مل کر ادھر ادھر والے
ز بس کہ امر تھا آپس کا غیر گھر کا نہ تھا
کچھ امتیاز کسی کو ادھر ادھر کا نہ تھا

(۷۳)

یہ عقد خاص ہو ثابت بحار سے کیوں کر
کہ تشنہ کام تھا دولہا، دولہن تھی تشنہ جگر
علاوہ اس کے ادلّہ ہیں اور بھی اکثر
وقوع عقد کی دیتی ہے خود رسن بھی خبر
سبب حیا تھی کہ جس سے نہ اختلاف کھلا
ہوا یہ عقد مگر کچھ نہ حال صاف کھلا

(۷۴)

اگر ہوئی ہو نہ شادی یہ زیر چرخ کہن
نہ روئے عقد کے دن ہر عروس غنچہ دہن
یہ دل میں کہتی ہیں اپنے ہر ایک سیمیں تن
ہمارا عقد ہو، بیوہ ہو ایک شب کی دلہن
اسی ملال میں ہر ایک جان کھوتی ہے
رضائے عقد میں بھی دیر اسی سے ہوتی ہے

(۷۵)

جو درد دل میں عروسی کے ہیں بتائیں کسے
زبان بند ہو جب درد دل سنائیں کسے
بگڑ گئی ہوں جو باتیں تو پھر بنائیں کسے
ہو بے محل کی جو شادی تو منہ دکھائیں کسے
مراد یہ ہے نہ خوش ہیں نہ بیاہ آئے ہیں
یہی ہے شرم کے گھونگھٹ میں منہ چھپائے ہیں

(۷۶)

نہ پھر عروس کو جان جہاں کہیں کیوں کر
کنیز بنت امام زماں کہیں کیوں کر
سوال عقد یہ ورد زباں کہیں کیوں کر
نہیں نہیں کا جو موقع ہو ہاں کہیں کیوں کر
ملال ان کے رنڈاپے کا سہہ نہیں سکتی
یہی ہے بات کہ ہاں منھ سے کہہ نہیں سکتی

(۷۷)

عجیب تھی شب شادی کہ تھا غموں کا ہجوم
بجھے جلے ہوئے وہ دل کہ جھلملاتے نجوم
غرض وہ عقد ہوا جس کی آج تک بھی ہے دھوم
ہوئے وہ سب شرفائے عرب کے تھے جو رسوم
اوران میں بھی وہی جن میں تھے سب مطالب حال
کہ خاندان نبوت کے تھے مناسب حال

(۷۸)

جہاں میں کیوں نہ حسد کا مزاج آگ رہے
جلیں وہ دل جنہیں دولہا دلہن سے لاگ رہے
دعا یہ سوئے نصیبوں کی تھی کہ جاگ رہے
کوئی یہ کہتی تھی بچی ترا سہاگ رہے
ستارے زلف میں ہوں نجم ضوفشاں کی طرح
رہے یہ مانگ بھی آباد کہکشاں کی طرح

(۷۹)

یہ ذکر تھا کہ جہاں میں دم سحر آیا
برات لے کے ستاروں کی خود قمر آیا
اخیر رات کو معشوق سیمبر آیا
سحر کے ہوتے ہی دولہا دلہن کے گھر آیا
چلی نسیم کہ دل میں کٹاریاں اتریں
ستارے چرخ سے ٹوٹے سواریاں اتریں

(۸۰)

نظر فلک پہ سحر کے جب انتظام آئے
فلک کا باغ کھلا وقت دور جام آئے
زبان بلبل شیدا پہ گل کے نام آئے
نسیم آنے لگی وصل کے پیام آئے
نہ بلبلوں کو فقط لطف وصل ملنے لگے
پھرے جو دن تو سحر کے بھی پھول کھلنے لگے

مطلع (۸۱)

عروس صبح جو سلمائے بے حجاب ہوئی
شفق کے دور میں مست شراب ناب ہوئی
گلوں کے رخ پہ ہر اک پنکھڑی گلاب ہوئی
ضیا یہ شرم سے سمٹی کہ آفتاب ہوئی
ادا و ناز کے وقت آئے گھاتیں ہونے لگیں
[1]ڈھکی ڈھکی گل و بلبل میں باتیں ہونے لگیں

(۸۲)

طیور کی بھی زباں پر یہی فسانہ ہے
ترا ہی نام فقط قادر و توانا ہے
عبث عبث تجھے رزاق سب نے جانا ہے
بڑا ہے قد سے جو چیونٹی کے منہ میں دانہ ہے
خوشا عطا و کرم بدکو دے وہ نیک کو دے
ہزار سے نہ اٹھے وہ جو رزق ایک کو دے

(۸۳)

فضا زمیں پہ وہ گردوں کی (چشمہ) ساری کی
(خطو)ط نور تھے یا نہر آب جاری کی
وہ تیرگیٔ تنک، نور کی وہ باریکی
کہے نہ کوئی جسے روشنی نہ تاریکی
غرض وہ حسن سحر تھا یہ جس سے بات ہوئی
اسی کے ہجر میں آخر تمام رات ہوئی

(۸۴)

نجوم جام بھی ایسے تھے جو چمکتے تھے
مژہ کی اک حرکت سے فقط چھلکتے تھے
طیور پتوں سے منہ کو نکالے تکتے تھے
سحر کے نور اندھیرے میں یوں جھلکتے تھے
دلوں پہ گل تھے گراں جیسے ہو پہاڑ گراں
وہ وقت وہ تھا کہ کوپل کو بھی تھی آڑ گراں

(۸۵)

وہ بروبحر کی چپ چپ، وہ وقت راز و نیاز
وہ جھٹپٹا، وہ سکوت طیور نغمہ طراز
وہ بہتی نہر میں استادہ آب کا انداز
شجر وہ بے حرکت، پتیاں وہ بے آواز
یوں ہی گھنی ہوئی شاخوں نے حمد باری کی
صدا بھی آئی تو باغوں کی آبشاری کی

(۸۶)

پھپھک رہے تھے جو پودے تھے اوس کھائے ہوئے
خیال حمد ہیں ہر قلب میں سمائے ہوئے
جو چار پائے تھے وہ بھی تھے سر اٹھائے ہوئے
نہنگ آب بھی پانی پہ سب تھے آئے ہوئے
عبث دہن کو یہ انگڑائیوں میں کھولتے ہیں
(خدا کے واسطے اپنی زبان بولتے ہیں)

---

(۱) ڈھکی چھپی

(۸۷)

اسی کے عشق (میں جانوں) کو ہارتے تھے اسد
اسی کی یاد میں سر کو اتارتے تھے اسد
ادائے حمد تھی نعرے نہ مارتے تھے اسد
ڈکارتے تھے کہ اس کو پکارتے تھے اسد
خلوص خاص تھا انگڑئیاں نہ لیتے تھے
اسی کے ہاتھ میں اپنا بھی ہاتھ دیتے تھے

(۸۸)

ملا ہوا وہ فلک سے ہر اک نہال کا سر
اسی درخت پہ وہ طائران ریشم پر
یہ جب تھا نور کا عالم یہ حسن جاں پرور
بنی ہوئی تھیں نگاہیں خطوط نور سحر
وہی طیور مزوں کو سحر کے لوٹتے تھے
انہی کے جنبش سر سے ستارے پھوٹتے تھے

(۸۹)

ترائی میں کوئی جگنو اگر چمک کے گرا
زمیں پہ شاخ سے یاں پھول بھی مہک کے گرا
لڑے طیور جو باہم تو کوئی تھک کے گرا
زمیں پہ نخل سے کوئی چہک چہک کے گرا
عجب تھے طرز بیاں، بے دمی تھی، تھکنا تھا
اڑے جو جھاڑ کے پر پھر وہی چہکنا تھا

(۹۰)

طیور کھیل کے پانی سے بھی نہ جی ہارے
عجب طرح سرفوراہ آکے پر مارے
بلند آب ہوا میں وہ یوں ہوا بارے
کہ چل کے بن گئے جاروب چرخ فوارے
فلک سے ملتے تھے وہ جب زمیں سے چھوٹتے تھے
وہ آب قطرہ فشاں تھا کہ تارے ٹوٹتے تھے

(۹۱)

ابھر کے بیٹھتے تھے یوں حباب بھی بارے
زمیں پہ ٹوٹ کے گرتے تھے ڈوبتے تارے
گلوں کی طرح نہ کیوں صاف نجم ہوں سارے
زمیں کو دھوتی تھی شبنم، فلک کو فورا ے
تعب سے اس کے ہر اک (شب) کو جا کے پھرتا ہے
وہی ہے آب جو اب تک فلک سے گرتا ہے

(۹۲)

زمیں کا حسن وہ قابل جو خیمے ڈیرے کے
وہ حظ دلوں کو ہوا کے ہر ایک پھیرے کے
اثر سفید گلوں میں وہ اس سویرے کے
وہ پھول چاندنی کے چاند جو اندھیرے کے
مزید اُس پہ بھی سورج مکھی کی روشنی تھی
عجیب وقت تھا وہ جب یہ دھوپ چاندنی تھی

(۹۳)

وہ کہہ رہے ہیں جو ناظر قریں بھی دور بھی ہیں
یہاں کھڑے ہیں تو ہم زیر نخل طور بھی ہیں
خوشی ہوئے ہیں تو اب طالب سرور بھی ہیں
کہ کوپلوں کو جو دیکھا مگر طیور بھی ہیں
اڑیں نہ ہوش (بھی کیوں کر) کہ قلب ہل گئے تھے
عجب تھے طیر کہ۔۔۔۔۔وں میں مل گئے تھے

(۹۴)

وہ عندلیب جنہیں ناز بھی غرور بھی تھا
ادا بھی آپ ہی تھی آپ ہی سرور بھی تھا
قریب نہر میں گر عکس تھا تو دور بھی تھا
عجب تو یہ تھا جو طائر تھا وہ طیور بھی تھا
اسی سے پھول بھی کچھ بے قرار رہتے ہیں
اسی سے بلبوں کو بھی ہزار کہتے ہیں

(۹۵)

ہوا یہ دوست تھی کیسی عدو وہ ہوگئی تھی
کہ (حسرتوں) سے غریبوں کے کانٹے بوگئی تھی
اُدھر نسیم گئی کیوں جو عقل کھو گئی تھی
گلوں کو لے کے جہاں عندلیب سوگئی تھی
جگا دیا اسے جو فرقتوں میں رویا تھا
نہ سمجھے یہ کہ کسے کون لے کے سویا تھا

(۹۶)

ثمر بھی وہ جو ہم اعداد برگ ہائے شجر
وہ رنگ روپ ہٹے جن کے سمت سے نہ نظر
لطیف ونازک وشاداب اس طرح وہ ثمر
محافظوں کی نگہ کی نشانی تھی جن پر
نزاکتوں کا اثر ان میں صاف پیدا تھا
جہاں پڑی تھی نظر وہ شگاف پیدا تھا

(۹۷)

نئے طلسم سے ہر بیل شاخ تر پہ چڑھی
کلی نہالوں کے لپٹی تو یوں کہ سر پہ چڑھی
اُدھر شجر پہ چڑھی بیل، ادھر نظر پہ چڑھی
مگر یہ کیا ہوا جب نخل بارور پہ چڑھی
یہ لوگ کہتے تھے جب وہ نظر سے بڑھتی تھی
یہاں تو بیل کسی کی منڈھے نہ چڑھتی تھی

(۹۸)

وہ سیب وصف میں تر جن کے ہیں زبان جہاں
انہی کی بو سے مہکتا تھا بوستان جہاں
گلابیوں میں ہے کچھ رنگ گلر خان جہاں
لقب میں تھے ثمر تر صفت میں جان جہاں
غرض وہی تر و تازہ خطاب ہے اب تک
انہیں کی آب سے چہروں میں آب ہے اب تک

(۹۹)

عجب وہ پھل تھے (محافظ) تھے جن کے خود طائر
ہر ایک شاخ پہ ایک ایک پھل کا تھا ناظر
لطافتوں کی تو پہنچیں یہ نوبتیں آخر
کہ سب تھی کیفیت مغز پوست سے ظاہر
نظر بھی مغز میں واں بے شگاف پیدا تھی
تری جو تخم پہ تھی وہ بھی صاف پیدا تھی

(۱۰۰)

جوارشوں میں نہ کیوں اس کا آب ہو داخل
مفرح جگر وجاں، مقوی ہر دل
نزاکتوں کا تو ان کی ہے اک جہاں قائل
گریں ٹپک کے زمیں پر جو طبع ہومائل
نظر کا خوف تھا اللہ ری آبرو ان کی
نگہ کو روکتی تھی راستے میں بو ان کی

(۱۰۱)

گلوں نے مول لیا جن کو جان دے کے وہ پھل
وہ پیاری صورتیں جس سے تھی شرگیں کوپل
کہیں ہر ایک کو چوٹی کا تو ہے عین محل
انہی کو دیکھ کے نظریں ہیں آج تک بے کل
خدا کی شان وہ لذت ہر اک ثمر کو ملے
زباں کا ذکر ہے کیا جب مزا نظر کو ملے

(۱۰۲)

وہ ناشپاتیوں کا حسن جو نہال کی زیب
گلابیوں کی وہ بو جو مزیل صبر وشکیب
بہی بھی وہ تروتازہ جو دے دلوں کو فریب
وہ سبز سبز نہال اور سرخ سرخ وہ سیب
پھر اس پہ یہ کہ گرے کوئی تو مہک کے گرے
بھلا لگے جو نظر کو وہی ٹپک کے گرے

(۱۰۳)

نظر کچھ آنے لگی شکل برتری ان کی
جب آئی آنکھوں میں کھنچ کھنچ کے کچھ تری ان کی
وہ کوپلوں کے قریں صورتیں کھری ان کی
نسیم دیکھتی تھی آپ دلبری ان کی
مراد یہ تھی کہ صورت جو یہ دکھائیں گے
یوں ہی دن آئیں گے ہاتھوں سے یونہی جائیں گے

(۱۰۴)

وہ پھل کہ جن سے نمایاں ہے صنعت صمدی
وہ پھل کہ جن میں تھی تاثیر صحبت ابدی
وہ بو ہر ایک کی جو مصلح ہوائے ردی
مریض کے لئے مانند صرۂ سندی
اثر میں ان کے عبث ہیں طبیب کھوئے ہوئے
انہی کے نخل تھے خاک شفا کے بوئے ہوئے

(۱۰۵)

وہ اعتدال مزاجی، بہت نہ گرم نہ سرد
نسیم بھی جو چھوئے قلب باغباں میں ہو درد
لطیف وہ جنہیں تھی خود نگاہ تیز بھی گرد
ادھر سے دیکھئے سرخ اور اُدھر سے دیکھئے زرد
مراد یہ تھی (کہ) حصہ نہ کم (ہو) ہمسر کا
کسی کو دے کوئی تو نصف (ہو) برابر کا

(۱۰۶)

اور آب کی تو ہوا کرتی تھی ہواخواہی
اسی کی فکر میں نہریں ہیں آج تک راہی
سبک بھی وہ کہ یہ تحریک بو ہو جانکاہی
تمام نہر ہو خالی جو سانس لے ماہی
ثنائے آب میں کیا کیا نہ سب کو دھوکے ہوئے
تھا تو یوں کہ گرانقدر یاں تھیں روکے ہوئے

(۱۰۷)

ثنائے آب میں جب طبع کچھ سنبھلتی ہے
یہ لے کے شاعروں کے دل کو موج ملتی ہے
یہ کوششیں ہیں تو کچھ بات بھی نکلتی ہے
کہا کریں کہیں کاغذ کی ناؤ چلتی ہے
وہ طے کرے اسے دریا کا جو (اتار) اترے
کوئی ہو ایسا بھی پیراک تو وہ پار اترے

(۱۰۸)

اس آب سرد کے کس کو نہ حوصلے آئے
اسی کے شوق میں کیا کیا نہ قافلے آئے
زمیں کے دل میں جو پینے کے ولولے آئے
ہوا میں لرزہ کہ عالم میں زلزلے آئے
لڑے حجر سے حجر رعد بھی گرجنے لگے
وہ سرد جس سے پہاڑوں کے دانت بجنے لگے

(۱۰۹)

ہر ایک لہر ادا میں وہ لائق وفائق
جسے تبسم معشوق کہتے ہیں عاشق
انھیں کے صورت انداز سے حسین ہیں دق [۱]
وہ آب لائے جو پیراک کو بھی نوم غرق [۲]
اسی طرح سے جو وہ بھی ہوا کی آہٹ لے
یہ موج سوئے کہ پانی پہ پھر نہ کروٹ لے

(۱۱۰)

صفا سے ماہیوں کا موئے پر بھی آئے نظر
یہ کیا کہ جنبش قلب وجگر بھی آئے نظر
جگر یہ کیا ہے نفس کا اثر بھی آئے نظر
نفس یہ کیا ہے خود اپنی نظر بھی آئے نظر
کچھ اس طریق سے آنکھوں کو راہ ملتی تھی
جو شئے تھی تہہ پہ وہ نظروں کے ساتھ ہلتی تھی

---

(۱) فق (۲) عرق

(۱۱۱)

لطیف وہ کہ (نہ)[1] ہمراہ آب وتاب بڑھے
بڑھے نگاہ تو موجوں کا پیچ وتاب بڑھے
ہلے اگر پر ماہی تو اضطراب بڑھے
چھلک پڑے جو زرا موتیوں کی آب بڑھے
کمی کی شکل بھی وہ جس سے بٹ[2] گیا پانی
جب آئی آنکھوں میں خنکی تو گھٹ گیا پانی

(۱۱۲)

نظر جب آنے لگی آسماں پہ شان سحر
طیور کہنے لگے مل کے داستان سحر
نمازیوں کو بھی جب کچھ ہوئے گمان سحر
خود آپ اٹھے پئے نظارہ نشان سحر
فروغ صبح میں بھی آپ ہی کے تھی دم سے
نہ دن پھریں نہ ستارہ سحر کا یوں چمکے

(۱۱۳)

اُدھر سحر کی تجلی ادھر حضور کا نور
نہ کیوں ہو شرم (سے) محجوب روئے حور کا نور
ادھر یہ نور اُدھر صبح کے ظہور کا نور
خدا کی شان شجر میں خدا کے نور کا نور
زہے نصیب کہ گردو(ں بھی) گرد بھر کے پھرے
سحر ادھر ہوئی دن اس طرف سحر کے پھرے

(۱۱۴)

کہی شبیہ نبی سے جو خوش گلو نے اذاں
خموش ہوگئے شاخوں پہ مرغ خوش الحاں
نہ ڈالیاں حرکت میں، نہ ٹہنیاں جنباں
مثال آئینہ ٹھہرا ہوا تھا آب رواں
صدا کے حسن سے یوں زیست میں خلل آئے
کہا حبابوں نے بس بس دل اب نکل آئے

(۱)جو(۲)ہٹ

(۱۱۵)

چہک رہا تھا اذاں میں جو خوش گلو کوئی
سوائے حمد کہیں تھی نہ گفتگو کوئی
کہیں تھا منتظر شاہ نیک خو کوئی
کسی کو فکر منغص پئے وضو کوئی
یہ برہمی تھی کہ ہنگام جستجو تو ملے
بجھے نہ پیاس تو پانی پئے وضو تو ملے

(۱۱۶)

مخدرات حرم میں صدا یہ جاتی تھی جب
نظر کے خوف سے مضطر تھیں حضرت زینبؑ
وہاں اذاں تھی یہاں تھا زباں پہ یہ مطلب
جہاں میں رکھ لے اس آواز والے کو یارب
کبھی کہا کہ کروں اور کیا ثنا تیری
رہے رسولؐ کے کلمے تلک صدا تیری

(۱۱۷)

کبھی کہا مرے بچے تری زباں کے نثار
مرے ریاض کے بلبل تری فغاں کے نثار
ہر ایک شعبہ آواز گلفشاں کے نثار
ارے مرے علی اکبرؑ تری اذاں کے نثار
ہزار طرح کے (جنگل) میں ہیں گماں واری
یہ (روتی) رات کا ہنگام یہ اذاں واری

(۱۱۸)

پھوپھی نثار ہلاتی ہے اب جگر آواز
ارے گھنے شجروں میں کرے گذر آواز
یہ ڈوبتے ہوئے تارے یہ اے قمر آواز
یہ سائیں سائیں یہ جنگل پہ پُر اثر آواز
اب اس کو کیا کہوں جو دھیان دل ہلاتا ہے
مجھے تو اپنی نظر سے بھی ہول آتا ہے

(۱۱۹)

اب آ بھی اے مری باتوں کے ٹالنے والے
سنبھال جا مرے دل کو سنبھالنے والے
کوئی کہہ آئے کہ مرتے ہیں پالنے والے
اذاں کو ختم کر اے دل نکالنے والے
اذان شام نہ اب ہوگی شام[1] سے بیٹا
جگر لرزتا ہے مغرب کے نام[2] سے بیٹا

(۱۲۰)

اسی قبیل سے باہر بھی تھے اذاں کے اثر
صدا کا درد ہر اک کا ہلا رہا تھا جگر
کوئی تفحص آب وضو میں تھا مضطر
نکل گیا تھا پڑاؤ کے بھی کوئی باہر
مراد یہ تھی کہ ہے ہر زباں پہ نام ترا
ہماری سعی ہے اتمام اب ہے کام ترا

(۱۲۱)

نہ راہ آب کہیں ان کو جستجو میں ملی
خبر ملی تو تیمم کی گفتگو میں ملی
خوشا وہ شکل کہ جو صورت وضو میں ملی
وہ خاک ان[3] کی بنی یوں کہ آبرو میں ملی
ہر ایک رنگ جو آب طلا میں تلتا تھا
وضو سے ہیں کہ تیمم سے، کچھ نہ کھلتا تھا

(۱۲۲)

فدا ہوں دل سے نہ کیوں ان کی پیاس پر ہم سب
عطش بھی وہ کہ بڑھی جس سے آبروے عرب
ہنسی میں ٹال دیا پیاس کے بڑھے جو تعب
گواہ ان کے تبسم پہ تھے پھٹے ہوئے لب
عطش کا قول تھا میرے حواس بھی گم ہیں
کہ درد ان کے ہیں جے اتنے ہی تبسم ہیں

(۱) شان (۲) دھیان (۳) آب

(۱۲۳)

بیان ان کے تیمم کا میں کروں کچھ اب
مراد ضرب سے ان کی جو تھی سنیں اسے سب
ملال آب وضو میں بڑے بڑے تھے تعب
طبیعتوں میں تنغص تھا اور دلوں میں غضب
یہ چاہتے تھے ادھر سے ہوا بھی مڑجائے
جہاں کی خاک بھی قسمت میں ہوتو اڑ جائے

(۱۲۴)

صغیر روتے تھے خیمے میں لے کے نام آب
یہ مضطرب تھے کہ کیوں کر ہو فکر جام آب
وہ ضرب دست تھی یا نوع انصرام آب[1]
سنا تھا یہ کہ تہہ خاک ہے مقام آب
تلاش آب سے یاں تک تو دل نہ ہارے تھے
نہاں جو آب تھا اس پر بھی ہاتھ مارے تھے

(۱۲۵)

وہ حال ضرب تھا یہ ہاتھ اٹھنے کا تھا سبب
جو شکل دفن ہے اس کو بھی جانتے ہیں سب
ہوا تمام تیمم تو یہ کھلا مطلب
جہاں کی خاک سے بھی ہم نے ہاتھ اٹھا لئے اب
مراد یہ تھی کہ بگڑے تو پھر تپاک سے کیا
نہ دفن کی بھی غرض ہو تو کام خاک سے کیا

(۱۲۶)

بیاں ہو ہاتھ اٹھانے کا دوسرا بھی سبب
صغیر پیاس سے مرتے تھے تھا دلوں پہ تعب
اٹھاتے ہاتھ زمیں سے نہ کیوں وہ خاصۂ رب
کہ زیر خاک بھی پانی کو سنتے آتے ہیں سب
خیال یہ تھا کہ ہم اور عطش کے ساتھ نہ ہوں
جہاں لگاؤ ہو پانی کا واں بھی ہاتھ نہ ہوں

(۱) وہ ضرب دست بھی تھی نوع انصرام آب

(۱۲۷)

پئے صغار شہ دیں کہیں نہیں بھی گئے
کنوؤں کی فکر بھی کی تا سپاہ کیں بھی گئے
کہے نہ اب کوئی پانی کو وہ کہیں بھی گئے
فرات پر بھی گئے اور تہہ زمیں بھی گئے
بقائے زیست میں تو کوشش ثواب یہ کی
زمیں میں گڑ گئے آخر تلاش آب یہ کی

(۱۲۸)

خبر تھی ان کی شہادت کے رہرووں کو کہاں
گذر ہوا تو یہ سمجھے کہ تھے وہ تشنہ دہاں
مزید اس پہ نہ کیوں اور بھی ہو ان کو گماں
زمیں پہ دیکھ لئے تھے خیموں کے نشاں
کہا یہ اس سے کہ جو ان کے ساتھ آیا تھا
انہیں وضو کو بھی پانی نہ ہاتھ آیا تھا

(۱۲۹)

وہ شوق مرگ میں اس طرح آئے تھے گھر سے
کہ جیسے اٹھ کے کہیں جائے کوئی بستر سے
لڑیں بھڑیں[۱] جو ہے پیدا یہ ان کے تیور سے
نگاہیں کررہی تھیں چھیڑ چھاڑ لشکر سے
بنی ہوئی ہو نہ کس طرح فوج کی جاں پر
کہ پتلیوں کے بھی تھے ہاتھ تیغ مژگاں پر

(۱۳۰)

خدا کی دین ہے جس کو وہ ارجمند کرے
وہ ران باگ جو دم فارسوں کے بند کرے
نشست وہ کہ جو خود نام کو بلند کرے
سوار دوش محمدؐ جسے پسند کرے
عیاں نہیب سے تھا ضیغم حجاز یہ ہیں
نشست کہتی تھی گھوڑوں کے یکہ تاز یہ ہیں

(۱۳۱)

ہر ایک صحبت ختم رسلؐ اٹھائے ہوئے
ولی حق[۲] سے مجاہد کی مار کھائے ہوئے
فنون جنگ حسنؑ کے بھی کچھ بتائے ہوئے
وغا میں تین اماموں کے آزمائے ہوئے
عجب سوار تھے لاکھوں سے جو بڑھے ہوئے تھے
فرس پہ بھی تھے نگاہوں پہ بھی چڑھے ہوئے تھے

(۱۳۲)

بڑھی جو پیاس کہا دل سے اس سے کیا ہوگا
تعب نہ[۳] ہم کو صغیروں سے بھی سوا ہوگا
جگر پھنکیں گے تو اس میں بھی اک مزا ہوگا
یوں ہی تو حق نمک آپ کا ادا ہوگا
لڑے نہ دھوپ میں تو لذت غزا[۴] کیا ہے
مزے سے پیاس نہ کاٹی تو پھر مزا کیا ہے

(۱۳۳)

خوشی میں مرگ کی عطروں میں بس رہا تھا کوئی
وغا کے جوش میں تلوار کس رہا تھا کوئی
خیال ہی میں صفوں پر برس رہا تھا کوئی
ہجوم دیکھ کے فوجوں کے ہنس رہا تھا کوئی
مراد یہ تھی کہ اتنی انہیں تمیز نہیں
جو دل نہیں تو یہ کثرت بھی کوئی چیز نہیں

(۱۳۴)

وہ پتلیاں کہ بگڑ جانا جن کی تھی اک خو
وہ غیظ دل میں کہ بل جس سے کھاتے تھے گیسو
وہ ہمتیں تھیں کہ جن کی یہ بات کا پہلو
یہ کام آئیں گے کس دن بھرے بھرے بازو
اب انتظار ہے کیا دل بہت پریشاں ہے
حسام ہاتھ میں ہے دو قدم پہ میداں ہے

---

(۱) لڑیں لڑیں ہی جو پیدا تھے ان کے تیور سے

(۲) ولی حق سے مجاہد کا پیار پائے ہوئے (۳) یہ (۴) وغا

(۱۳۵)

یہ ذکر تھا کہ اٹھا پردۂ در دولت
حجاب عرش نے بھی جس سے گر کے کی بیعت
خدا کی شان وہ دور، آپ سے اِسے قربت
سوئے زمیں انھیں میل اور یہ مایل رفعت
انہیں پہ کیا ہے بلند اب تو فرش بھی ٹھہرا
حجاب اُنہیں ہے تو محجوب عرش بھی ٹھہرا

(۱۳۶)

پھراس کے باب میں میں کچھ پئے ثواب کہوں
کریم کا ورق دفتر حساب کہوں
حجاب دیدۂ حورا کہوں نقاب کہوں
کہوں جو لوح وقلم بات انتخاب کہوں
مگر جو فرق ہے دونوں میں وہ بھی آفت ہے
یہ جل گیا تھا وہ محفوظ تاقیامت ہے

(۱۳۷)

اشارے یہ تھے کہ کیوں ان کے غلغلے ہوئے ہیں
حجاب عرش تو مجھ سے ملے جلے ہوئے ہیں
حضور خود بھی نکلنے پہ کچھ تلے ہوئے ہیں
ڈھکے ڈھکے نہیں رتبے مرے کھلے ہوئے ہیں
جو کچھ ہے واں تو فقط خالی ایک جلوا ہے
خدا کا نور مجسم ہے یاں وہاں کیا ہے

(۱۳۸)

عجب حجاب ہے ضو جس میں آفتاب کی ہے
جو رنگ دیکھئے اک پنکھڑی گلاب کی ہے
جو اس کے تار ہیں بارش اسی سحاب کی ہے
حجاب عرش پرت اک اُسی کتاب کی ہے[1]
خرد کا قول ہے دونوں کو خلق نیک کہے
جو تہہ کو بات کی پہنچے انہیں وہ ایک کہے

(۱) حجاب عرش بھی پرت اک ------

(۱۳۹)

ادھر سنبھل گئے وہ لوگ یاں ہلا پردہ[2]
ادب سے خود بھی ہٹا پردہ سرا پردہ
بندھے خیال وہاں کچھ تو کچھ کھلا پردہ
خدا کے نور نے جلوہ کیا اٹھا پردہ
دلوں میں کیوں نہ اس آمد سے حشر برپا ہو
نقاب چہرۂ قدرت اٹھے تو پھر کیا ہو

(۱۴۰)

مصافحوں کی بیاں اب کروں میں کیا صورت[3]
ہٹا یہ چوم کے ہاتھ، آئی اس کے پھر نوبت
دئے ہوئے اُنہیں ہاتھوں کو آتے تھے حضرت
کسی پہ لطف و[4] ترحم، عطوفت و شفقت
درود آل پہ جتنے تھے پڑھتے جاتے تھے
وہ پیچھے ہٹتے تھے اور آپ بڑھتے جاتے تھے

(۱۴۱)

غرض کہ آپ یونہی آئے جب امامت کو
مکبریں سے اٹھا کوئی شخص اقامت کو
ملا فروغ جو سجادۂ عبادت کو
تو مڑ کے آپ نے دیکھا صف جماعت کو
نشست کہتی تھی رتبہ انہیں کا بالا ہے
جدھر ہے آپ کی پشت اس طرف کو قبلہ ہے

(۱۴۲)

دکھایا حسن رخ پاک جب زیارت نے
ادب سے بند صدا اپنی کی اقامت نے
صفوں کو نظم دیا صولت و جلالت نے
اٹھے خود آپ کہ تعظیم کی امامت نے
نجانے صورت[5] سکتہ یہ اس کی کب تک ہے
کہ اس زمانے میں قبلہ جدھر تھا اب تک ہے

(۲) یہاں سنبھل گئے وہ لوگ واں ہلا پردہ (۳) مصافحوں کے بیاں کیا کروں میں اب صورت (۴) کسی پر (۵) حالت

(۱۴۳)

وہ نیتیں کہ موخر ادب سے جن کی نماز
خضوع وہ تھا کہ قائل تھا سرکا خود انداز
عجب خشوع تھے طرفہ تھے ان کے راز و نیاز
کہ خود نہ جانتے تھے اپنے راز صاحب راز
نماز کہتی تھی اللہ، ایک دھیان نہیں
یہی لڑیں گے کہ جن کے بدن میں جان نہیں

(۱۴۴)

قنوت میں یہی کرتے تھے عرض وہ ذی جاہ
ہمارے حال سے ہے خوب تیری ذات آگاہ
ادا نماز ہو کیا دل پہ صدمہ ہے جانکاہ
رکوع خود بھی ہے ٹوٹی ہوئی کمر پہ گواہ
یہ جب ہے حال تو کس طرح تا عدم پہنچیں
پکڑ لے ہاتھ تو منزل پہ اپنی ہم پہنچیں

(۱۴۵)

ہزار طرح کے ہیں دل پہ صدمۂ جانکاہ
نماز بھی وہ نہیں جس پہ خود ہو اپنی نگاہ
عمل یہ، حال یہ، کیوں کر ہوں قابل درگاہ
جو کچھ ہے یہ ہے کہ ہیں اک غریب کے ہمراہ
سحر طلوع ہے جانیں بھی جانے والی ہیں
سفر ہے دور کا اور ہاتھ اپنے خالی ہیں

(۱۴۶)

کبھی نماز سے وہ دل نہ بے نیاز ہوئے
در قبول بندی نیتوں سے باز ہوئے
خدا کی شان عجب طرح کارساز ہوئے
جھکے سجود میں وہ یوں کہ سرفراز ہوئے
یہ کیا قیام کو تو شان سے نشاں سے اٹھے
نماز پڑھ کے اٹھے جب تو پھر جہاں سے اٹھے

(۱۴۷)

عجب ہے اپنی نمازوں پہ گر نہ ہو انہیں ناز
سنیں جو کان سے ایسے امام کی آواز
عجب[۱] وہ لوگ تھے طرفہ تھے ان کے راز و نیاز
قیام بن گئے تھے خود ہی جن کے رکن نماز
ثنا انہیں کی جو واجب نہیں تو لازم ہے
اُسی قیام سے اب تک نماز قائم ہے

(۱۴۸)

صفیں تھیں وہ کہ رہ معرفت کے تھے جادے
ورق دلوں کے خیال جہاں سے تھے سادے
قبول ان کی نمازوں کو کیوں نہ پہنچا دے
جو نیچے پاؤں کے آنکھیں بچھائیں سجادے
نشان سجدہ نہ کیوں ہو نشان قدرت کا
جبیں پہ ان کی دل آیا تھا خود عبادت کا

(۱۴۹)

فقیر دوست مگر اس پہ خسروانہ مزاج
جہاں کے شاہ تھے کیوں کر نہ ہوں شہانہ مزاج
لڑے جو نفس سے وہ تھے سپاہیانہ مزاج
فنا پہ مرتے تھے طرفہ تھے عاشقانہ مزاج
دلیل چاہئے دعوے کے مان لینے کو
اجل بھی آئی تھی کچھ ان[۲] کے جان لینے کو

(۱۵۰)

لڑے گی ان سے بھلا خاک فوج ابن زیاد
کہیں جو پیاس سے بڑھنے میں اور کچھ ہو زیاد
لئے تھے ہاتھوں میں تسبیح وہ تو تھی یہ مراد
وہ مرد ہی نہیں جس نے کیا نہ دل سے جہاد
لڑیں نہ نفس سے وہ کیوں جو شہ کے ساتھ میں ہوں
جو سو ہوں دل تو اسی طرح اپنے ہاتھ میں ہوں

(۱) عجب (۲) اس

(۱۵۱)

بلا[1] رہے تھے لچکتے ہوئے نشاں جو اُدھر
یہ مضطرب تھے کہ لڑنے کو جائیں ہم کیوں کر
سپاہ شام بھلا پا سکے گی ان پہ ظفر
کہ جن سے پیاس کے بھی ہیں بجھے ہوئے تیور
نہ اک فقط سپہ بد اساس کو مارا
کیا جہاد یہ آخر کہ پیاس کو مارا

(۱۵۲)

نماز ہوتے ہی پیغام جنگ آنے لگے
کسی نے عرض کی مولا خدنگ آنے لگے
شجاع صبر وتحمل سے تنگ آنے لگے
رخوں پہ سب کے شہادت کے رنگ آنے لگے
غرض وہ ظہر کے ہنگام تک گذر بھی گئے
وغا کا اذن بھی پایا لڑے بھی مر بھی گئے

(۱۵۳)

عزیز ان کی شہادت کے بعد جانے لگے
نظر کے سامنے ہی خون میں نہانے لگے
مخدرات کے نالے فلک ہلانے لگے
ہر اک کی لاش کو میداں سے آپ لانے لگے
خبر ہر ایک کی یوں بیبیوں کو دینے گئے
اِسے جو لاکے لٹایا تو اُس کو لینے گئے

(۱۵۴)

شہید جب یونہی زینبؑ کے گلعذار ہوئے
خجل بہن سے شہ آسماں وقار ہوئے
پھوپھی کے بین جو قاسمؑ کے دل پہ بار ہوئے
لہو کا جوش ہوا حد کے بے قرار ہوئے
بسی یہ دل میں کہ مرنے کی التجا کو چلیں
چچا سے اذن لیں، ماں سے ملیں، وغا کو چلیں

(۱) ہلا

(۱۵۵)

یہاں یہ عزم تھا[1] واں حشر تھا حرم میں بپا
بکائے[2] بنت علیؑ سے تھے دل تہہ وبالا
خصوص زوجہ شبرؑ کے تھے نہ ہوش بجا
یہ دل میں کہتی تھی قاسم یہ کیا کیا بیٹا
عجب نہیں کہ پھوپھی کو ہو کچھ گلا واری
ضعیف ماں کو خجل کرکے کیا ملا واری

(۱۵۶)

پسر پھوپھی کے بھی تو معرکے نہ جھیلے تھے
اِدھر وہ دو تھے اُدھر لشکروں کے ریلے تھے
اسی ملال میں مرتے کہ وہ اکیلے تھے
پسر پھوپھی کے بھی تھے ساتھ کے بھی کھیلے تھے
وہ ساتھ تھے تو انہیں چین بے لڑائی نہ تھے
ارے غضب ہے پھوپھی زاد بھائی نہ تھے

(۱۵۷)

حیا تھی گر تو اُسی طرح خود لڑے ہوتے
قدم سپاہ میں مثل نشاں گڑے ہوتے
کمسن تھی تو کچھ نام ہی بڑے ہوتے
بغیر سمجھے نہ لشکر پہ جا پڑے ہوتے
یہ باتیں دل میں ہیں ظاہر میں مرد میداں ہیں
کوئی بتائے یہ ہشیار ہیں کہ ناداں ہیں

(۱۵۸)

ضرور کوئی نہ کوئی ہے ان کے دل میں فساد
ہزار کچھ کہیں تو یہ کچھ اور ہی ہے مراد
خدا کی شان ہے عذر اور امام نیک نہاد
اِدھر وجوب وصیت اُدھر وجوب جہاد
کیا[3] نہ عزم وغا نہ پئے حصول گئے
ارے امام کے رتبہ کو بھی یہ بھول گئے

(۱) تھے (۲) صدائے (۳) لیا نہ اذن وغا نہ پئے حصول گئے

(۱۵۹)

وہ دل میں مرگ کی باتوں کو ٹھانتے ہی نہیں
[1]جو خاص راہ محبت ہے جانتے ہی نہیں
کہیں یہ لاکھ جو عاقل ہیں مانتے ہی نہیں
امام پاک ''نہیں'' کو تو جانتے ہی نہیں
نہ مانوں میں کہ انہیں راہ مدعا نہ ملی
سبھوں کو اذن ملا اک انھیں رضا نہ ملی

(۱۶۰)

[2]عجب تو یہ ہے کہ کھوئی حیا بھی عزت بھی
چچا کی یاد نہیں آج ایک شفقت بھی
دلہن کے آتے ہی جاتی رہی مروت بھی
غضب ہے بھول گئے باپ کی محبت بھی
کہیں تو مجھ سے مصیبت میں کب پڑیں گے یہ
جہاد کیا کبھی پھر ہوگا جب لڑیں گے یہ

(۱۶۱)

چچا میں باپ میں کچھ فرق ہے یہ کیا ہے گمان
علاوہ اس کے وجوب جہاد کا نہیں دھیان
وہ مرد کیا نہ دکھائی وغا میں جس[3] نے شان
کہیں جو سن کو تو گھر والے بھی ہوئے مری جان
گرا کریں جو بہادر فرس سے گرتے ہیں
بلا سے ان کی وہ دولہا بنے تو پھرتے ہیں

(۱۶۲)

انہوں نے غور نہ کچھ بھی سوئے مآل کیا
نہ اپنے دل کو ذرا مائل جدال کیا
ریاضتوں کو مری خوب پائمال کیا
نہ رانڈ ماں کی ضعیفی کا کچھ خیال کیا
علیؑ کی جائی کو صورت دکھا نہیں سکتی
اب انتہا ہے کہ پُرسے کو جا نہیں سکتی

(۱۶۳)

میں چاہتی تھی کہ وہ کام آج کر جاتے
کہ شیر پیر کے دریا اُدھر اتر جاتے
نہ بھانجوں کو لگی دیر کچھ گذر جاتے
[4]تمہیں یہ چاہئے تھا پہلے آج مر جاتے
کمی کریں حسنؑ سبز فام کے بیٹے
[5]خدا کی شان پھر اس پر امام کے بیٹے

(۱۶۴)

وہاں یہ فکر تھی ہم جان دیں تو دیں کیوں کر
چچا کا قصد بھی ہے اذن لیں تو لیں کیوں کر
وغا سے باز شبیہ نبیؐ رہیں کیوں کر
محل نہ پائیں تو حضرت میں[6] کچھ کہیں کیوں کر
یہی تھا سوچ کسی طرح مطلب اپنا ہو
معاملہ ہے بزرگوں کا دیکھئے کیا ہو

(۱۶۵)

ٹہل رہے تھے مگر یوں کہ تنگ جینے سے
لہو تھی آنکھ ہر اک خون دل کے پینے سے
جگر کی[7] آگ جو پائی تھی گرم سینے سے
لہو کا رنگ بھی شرماتا تھا پسینے سے
بھلا ہوا جو نہ حضرت کے روبرو ٹپکا
جبیں وہ پاک کی جب آنکھ سے لہو ٹپکا

(۱۶۶)

یہی تھی فکر اسی طرح چلتے پھرتے تھے
وغا کے جوش میں تیور بدلتے پھرتے تھے
لہو کے تاؤ سے جس وقت جلتے پھرتے تھے
زمیں پہ تیغ کو ٹیکے ٹہلتے پھرتے تھے
سبب یہی تھا کہ لشکر جو دب کے لڑتا تھا
قدم پہ تیغ کے ان کا قدم بھی پڑتا تھا

(۱) جو خاک راہ محبت کی چھانتے ہی نہیں (۲) غضب۔۔۔غیرت بھی (۳) جس نے کہ شان
(۴) بھتیجے تھے تو یہ لازم تھا پہلے مر جاتے (۵) مزا یہ تو ہے پھر اس پر امام کے بیٹے (۶) سے (۷) نے

(۱۶۷)

اُسی ٹہلنے میں یہ سوچ بھی تھا دل کو بڑا
مقابل آگئے چھوٹے چچا تو کیا ہوگا
ہماری بات کہاں اور کہاں سخن ان کا
بڑے، بزرگ، اولوالعزم، معرکہ آرا
سخن وہ کیا کہ ذرا جس پہ التفات نہ ہو
لڑکپنے پہ جو محمول ہو وہ بات نہ ہو

(۱۶۸)

کہا اجل نے پریشان کیوں ہو جاؤ تو
طلب میں اذن کی قسمت کو آزماؤ تو
نقاب روئے سخن سے ذرا ہٹاؤ[۱] تو
بھرے ہیں دل میں جو ارماں زباں پہ لاؤ تو
خیال وہ تو تمہیں ہے مگر اسی کا نہیں
تمہارا آج جو رتبہ ہے وہ کسی کا نہیں

(۱۶۹)

انہیں شبیہ رسولؐ زمن بھی مان لیا
حسین و لالہ رخ و گلبدن بھی مان لیا
اور ان کو ثانی خیبر شکن بھی مان لیا
غلام سرور تشنہ دہن بھی مان لیا
مگر یہ فرق بھی ہے خویش خوش صفات ہو تم
وہ بھائی بیٹے ہیں اور فاطمہؑ[۲] کی ذات ہو تم

(۱۷۰)

ریاض شاہ کے شمشاد بھی بھتیجے بھی
سرور خاطر ناشاد بھی بھتیجے بھی
اسے بھی جانے دو اولاد بھی بھتیجے بھی
امام پاک کے داماد بھی بھتیجے بھی
نہ کم وہ کیوں ہو جو سہرے کے تار رشتے ہوں
بڑھے وہ تم سے کہ جس کے ہزار رشتے ہوں

(۱۷۱)

وغا کی دیر کے کیا کیا نہ ان کو وقت کھلے
کبھی ٹھہر کے کہا اف تو گاہ ہاتھ ملے
طریق خاص سے جب آکے پاس سے نہ ٹلے
اشارہ بھائی سے شہ نے کیا کہ یہ بھی چلے
نہ روکتے انہیں گر تم تو یہ کہیں رکتے
کوئی رکے نہ رکے اب تو یہ نہیں رکتے

(۱۷۲)

انہیں کے آپ فقط ناز کیا اٹھاتے ہیں
اسی طرح سے برادر پسر بھی آتے ہیں
اور آپ کہہ کے یہ اک اک کا دل بٹاتے ہیں
ہر اک سے کہتے ہیں روکو انہیں یہ جاتے ہیں
غرض یہ تھی کوئی قسمت کا پھیر ہی ہوجائے
نہ گر بچیں یہ تو مرنے میں دیر ہی ہوجائے

(۱۷۳)

زبس کہ آپ کی وہ سب تھے گودیوں کے کھلائے
مراد یہ تھی کہ ان میں سے کوئی مرنے نہ جائے
اسی طرح سے تو دو بھانجوں کے داغ اٹھائے
یہ چاہتے تھے کہ میرے قریب کوئی نہ آئے
یہی تھا کرب کہ چھپنے کو ہو مقام کوئی
غریب جان کے مجھ سے رکھے نہ کام کوئی

(۱۷۴)

یہ سوچ یاں تھا کہ عباسؑ نامور آئے
اِدھر یہ آئے شبیہ نبیؐ اُدھر آئے
یہ دیکھنا تھا کہ قاسمؑ قریب تر آئے
کہا یہ آپ نے کیوں گھیرے ہو کدھر آئے
تڑپ رہا ہوں اسی طرح جان کھونے کو
بٹھا دو مجھ کو کہیں بھانجوں کے رونے کو

(۱)اٹھاؤ(۲)شاہ دیں

(۱۷۵)

کہا ہر اک نے بجا ہے جو کچھ کہیں حضرت
غلام دیکھ نہیں سکتے یہ وہ ہے حالت
بن حسنؑ نے جو دیکھا کہ یاں ہے یہ صورت
کہا یہ دل سے کہ ہاں ہے یہی دم جرأت
کئی پہاڑ غموں کے شہ امم پہ گرے
وہ ہاتھ جوڑ رہے تھے کہ یہ قدم پہ گرے

(۱۷۶)

کہا یہ سب سے کہ دیکھو نہ دل مرا توڑو
گریں نہ پاؤں پہ یہ اور نہ ہاتھ تم جوڑو
کہاں تلک کہوں للہ مجھ سے منہ موڑو
ادھر ادھر پھرو باتیں کرو مجھے چھوڑو
مقام رحم ہے نزدیک ہے کہ مرجاؤں
تمہارے ہاتھ سے کیوں کر بچوں کدھر جاؤں

(۱۷۷)

ہوئی جو دیر کہا خیر سر اٹھائیے آپ
عقب میں آتے ہیں ہم بھی قدم بڑھائیے آپ
مگر یہ دھیان بھی دل میں ضرور لائیے آپ
پھوپھی بھی اذن اگر دیں تو خیر جائیے آپ
انہیں سے چاہئے اک اک کو عرض مطلب کی
وہ میری ماں کی جگہ ہیں بزرگ ہیں سب کی

(۱۷۸)

بہن کو شاہ کی واں دے رہے تھے سب پرسا
بنے کی ماں کا یہ تھا حال، تھے نہ ہوش بجا
کبھی تو در پہ گئیں گہہ قنات سے دیکھا
کہ شاہ دیں ہیں کدھر اور کررہے ہیں وہ کیا
تڑپ رہی تھی کہ کب یاں سے جاکے پرسہ دوں
ہوں سامنے تو کچھ ان کو بلا کے سمجھا دوں[1]

(۱۷۹)

یہ ذکر ہی تھا کہ خود آئے قاسم ذیشاں
کیا اشارہ میں جاتی ہوں تم بھی آؤ وہاں
کہا یہ جاکے کہ پہلے کرو یہ مجھ سے بیاں
امام پاک سے کون اب ہے اذن کا خواہاں
نہ کیوں میں فکر میں ہوں مجھ سے کچھ نہ کچھ[2] کہہ جاؤ
یہ ڈرتی ہوں کہ وہ مرجائیں تم یونہی رہ جاؤ

(۱۸۰)

ہزار رنج میں تھے یہ ضرور تھا تمہیں دھیان
بھتیجے ہیں تو ہمیں شہ پہ پہلے ہوں قربان
نہ اپنا فرض بھی سمجھے اب ایسے تھے نادان
بھتیجے بھانجوں میں کچھ ہی[3] فرق ہے مری جان
یہ بات اور ہے سمجھو نہ آپ کی اولاد
پسر بہن کے وہ تھے تم ہو باپ کی اولاد

(۱۸۱)

قرین عقل نہیں ہے یہ محض ہے اظہار
کہ تم کو جنگ سے مانع ہوئے شہ ابرار
یہ کوئی بات ہے! سمجھو تو اے مرے دلدار
جو بیٹی دے وہ کرے اتنی بات پر انکار
خبر ہر ایک کو اس واقعہ کی بھی کی تھی
رنڈاپا جان کے بیٹی امام نے دی تھی

(۱۸۲)

وجود علم میں جب آپ نے کیا تھا یہ بیاہ
تو لازم آگیا دینا رضا کا بھی اے ماہ
امام کیا وہ جو اسرار سے نہ ہو آگاہ
بغیر سمجھے کچھ ان سے ہو اے معاذ اللہ
خطا سے پاک اماموں کی راہ ہے بیٹا
گمانِ سہو بھی کرنا گناہ ہے بیٹا

(۱) ہوں سامنے تو انہیں اونچ نیچ سمجھا دوں

(۲) جب (۳) بھی

(۱۸۳)

کہا پسر نے عبث اب نہ آپ ہوں گریاں
امام پاک سے لی ہم نے رخصت میداں
پھوپھی کے اذن کا اب آپ کیجئے ساماں
عجب خوشی سے کہاماں نے سچ کہو، مری جاں!
یہ جب پسر سے سنا دھیان کچھ بھٹکنے لگا
خوشی بھی کچھ ہوئی دل بھی مگر دھڑکنے لگا

(۱۸۴)

جگر کو تھام کے کہنے لگیں بصد شفقت
تمہارا کام جو تھا کر چکے بہر صورت
بہن پہ رکھتے ہیں گر آپ تو ہے کیا دقت
چلو میں ان سے لئے دیتی ہوں ابھی رخصت
کریں گی یہ وہی دل شہ کا جس پہ مائل ہے
بہر طریق تمہارا مآل حاصل ہے

(۱۸۵)

غرض پسر کو لئے جاتی تھیں بحال تباہ
کہ اتفاق سے حجلہ ملا میان راہ
بنی[1] کو دیکھنے جھکنے لگیں اُدھر وہ آہ
ادھر یہ کہنے لگی ان کی حسرتوں کی نگاہ
جو حال دل ہے کسی کو دکھا نہیں سکتے
تمہارے پاس بھی اس وقت آ نہیں سکتے

(۱۸۶)

کہا یہ ماں نے چلو دیر کا نہیں ہنگام
پھوپھی سے کام ہے تھمنے کا یہ نہیں ہے مقام
چلو چلو کہ اسی طرح نیک ہو انجام
امام آنے نہ پائیں کہ طے ہوں سارے کام
غضب ہو جاگ کے قسمت مری جو سو جائے
محبتوں میں یہاں اور کچھ نہ ہو جائے

(۱) بنی کو دیکھ کے جھکنے لگے جب اور وہ ماہ (۲) قنات

(۱۸۷)

یہ وقت ہاتھ سے جائے تو کیسی حسرت ہو
سبھوں سے تم کو ندامت، مجھے خجالت ہو
سمجھتے ہوگے یہ سب، صاحب فراست ہو
لئیق و عاقل و دانا ہو ذی[2] لیاقت ہو
کوئی تو بات میں ایسی ہی اس میں پاتی ہوں
کہ تم کو ہاتھ سے کھونے میں آپ جاتی ہوں

(۱۸۸)

پسر کے ساتھ یہ کہتی جو آتی تھی مادر
کسی نے دوڑ کے بنت علیؑ کو دی یہ خبر
غضب ہوا کہ چلا مرنے دلبر شبرؑ
یہ سن کے بیبیاں روئیں پھوپھی[3] ہوئی مضطر
نتیجہ جس کا یہ ہے کہئے غل وہ کیسا ہے
ہوا یہ شور کہ سجادؑ نے کہا کیا ہے

(۱۸۹)

یہ شور ہی تھا کہ یہ سامنے نظر آئیں
قریب دختر زہراؑ مع پسر آئیں
ملال عون و محمد میں نوحہ گر آئیں
کہا یہ آپ نے کیوں کہئے اب کدھر آئیں
میں دیکھتی تھی کہ جس غم میں آپ بیٹھی تھیں
ابھی تو یاں صف ماتم میں آپ بیٹھی تھیں

(۱۹۰)

وہ مرنے والے تو آتے نہیں ہیں یاد اتنا
ملال یہ ہے کہ شہ ہوتے جاتے ہیں تنہا
میں بیٹھی دیکھتی ہوں زور کچھ نہیں چلتا
یہی ہے وہم کہ بعد ان کے دیکھئے ہو کیا
یہ بات بھی کوئی ہے دل کو جس کا دھڑکا ہے
تمہارے ساتھ یہ قاسم ہیں کیوں سبب کیا ہے

(۲) قنات (۳) دلہن

(۱۹۱)

کہا انہوں نے کہ سنئے کو اگر کیا ہے سوال
میں بیٹھی تھی کہ یہ باہر سے آئے کچھ خوش حال
کہا یہ غیظ سے میں نے کہ کیوں کدھر ہے خیال
یہ بے محل کی خوشی کیسی کیا ہے اس کا مآل
ہنسی کی جب تھی جگہ سر سے جب[1] گذر جاتے
مرے نہ لڑ کے تو غیرت سے کاش مر جاتے

(۱۹۲)

یہ کیا میں جانتی تھی اذن لے کے آئے ہیں یاں
میں سمجھی جب کہ انہوں نے کیا یہ مجھ سے بیاں
امام پاک سے ہم لائے رخصت میداں
پھوپھی کے اذن کا اب آپ کیجئے سا ماں
مجھے یہ غم ہوا کیوں رنج انہیں دیا میں نے
یہ سننا تھا کہ گلے سے لگا لیا میں نے

(۱۹۳)

کہاں تلک کہوں ایسے ہیں یہ ابھی نا داں
پھر اس کے بعد کہا تم بھی اذن دو اماں
بھلا میں کون تھی دیتی جو رخصت میداں
کہا یہ میں نے مجھے اس میں دخل کیا مری جاں
وہی بزرگ وہی راہ حق کی سا لک ہیں
پھوپھی سے جا کے کہو جو تمہا ری ما لک ہیں

(۱۹۴)

وہاں سدھارو تو مشکل میں ہوگی آسانی
کرم میں لطف میں ان کا نہیں کوئی ثانی
ہے بھولے پن کی بھی حدائے بتولؑ کی جانی
یہ میرے پاس گئے پہلے کی یہ نا دانی
غرض مری یہ ہے سب باتیں صاف ہوں ان کی
اب آئے ہیں تو خطائیں معاف ہوں ان کی

(۱۹۵)

میں کہتی تھی مجھے رخصت سے کچھ نہیں سروکار
وہ اذن دیں جو تمہا ری ہیں مالک و مختار
کھڑے ہوئے ہیں بامید رخصت پیکار
اب آپ کیجئے اقرار ان سے یا انکار
کریں یہ عرض تو کیا کچھ بیاں نہیں رکھتے
وہ چپ کھڑے ہیں جو منھ میں زباں نہیں رکھتے

(۱۹۶)

کہا یہ آپ نے میں ان کو اذن دوں گی ضرور
نشانی ایک برادر کی، اک کے دل کا سرور
کہاں یہ ذکر یہ بات اور کہاں یہ عفو قصور
یہ کن کو رو رہی تھیں آپ ان کی جان سے دور
مجال یہ ہے کہ میں اور الم امام کو دوں
انہی بلاؤں[2] میں ایک اور الم امام کو دوں

(۱۹۷)

میں صاف کہتی ہوں اس میں برا لگے کہ بھلا
محال یہ ہے کہ مرنے کی ان کو دوں میں رضا
اسی لئے تو بنایا تھا رات کو دولہا
یہی مراد تھی ارمان تھے یہی کیوں نا
یقیں ہے تم نے بھی شادی پہ کچھ نظر کی ہو
اسے میں کھوؤں جو بستی تمام گھر کی ہو

(۱۹۸)

جو مجھ پہ آپ نے رکھا وہ مطلب اور ہی تھا
مزاج داں کوئی مجھ سے زیادہ ہے شہ کا
اسے بھی جانے دو میرا بھی قلب مانے گا
یہ ماں دلہن کی جو بیٹھی ہے یہ کہے گی کیا
سنوں اسے بھی تو تسکین ہو[3] رہے گی مجھے
جو ایک شب کی دلہن ہے وہ کیا کہے گی مجھے

(۱) گر

(۲) ملالوں (۳) جو

(۱۹۹)

دلہن بھی وہ، جو بھتیجی ہو گودیوں کی پلی
غریب، کم سخن، ارماں بھری، نصیب جلی
تمام گھر میں ہر اک خوش ہے عادتیں وہ بھلی
لئیق، نیک چلن، فخر دودمان علیؑ
کہا نہ ایک نے نوبت ہے جان کھونے کی
صدا سنی ہے کسی نے بھی اس کے رونے کی

(۲۰۰)

یہ کہہ سکوں گی کہ رات آ گئی ہے سو بیٹی
جگر پہ کچھ ہو نہ منھ آنسوؤں سے دھو بیٹی
تڑپ تڑپ کے [۱] نہ رو اور نہ صبر کھو بیٹی
اس ایک رات کے دولہا کو بھی نہ رو بیٹی
مجھے صدائیں وہ کم ہوں گی اپنے مرنے سے
زمیں ہلتی ہے بیوہ کے بین کرنے سے

(۲۰۱)

خدا دکھائے نہ اشکوں سے اس کا منھ دھونا
اجل ہے رانڈ کی دنیا میں شام کا ہونا
وہ اس کا [۲] جاگنا اور اک جہان کا سونا
وہ سائیں سائیں وہ پچھلے [۳] کے وقت کا رونا
کسے کسے کہوں سب یوں ہی جان کھوتے ہیں
انہیں کے رونے پہ ہمسائے والے روتے ہیں

(۲۰۲)

زبان خلق سے ڈرتی ہے یہ سنبھلتے بھی
لحاظ آتا ہے روتے بھی ہاتھ ملتے بھی
بہیں [۴] جو اشک تو بتا نہیں ہے جلتے بھی
اسی کے رونے پہ روتے ہیں راہ چلتے بھی
یہ دل میں کہتے ہیں کیا ہے کہ یوں یہ مرتی ہے
صدا یہ کس کی ہے ٹکڑے جگر جو کرتی ہے

(۲۰۳)

اسی مرض میں ہر اک شب عجیب آتی ہے
دوا کا دھیان نہ یاد طبیب آتی ہے
چلے کہیں تو سنانا نصیب آتی ہے
وہ بھاگتا ہے یہ جس کے قریب آتی ہے
بکا کو سنتے ہیں اُس کی جو شب کو جاگتے ہیں
اُسی کے سائے سے اپنے پرائے بھاگتے ہیں

(۲۰۴)

اسی رنڈاپے نے رانڈوں کو نامراد کیا
جو ایک رات بسر کی تو اک جہاد کیا
کیا جو ضبط تو درد اور بھی زیاد کیا
جو ہچکی آئی تو سمجھیں اجل نے یاد کیا
نہ زیست ہوتی ہے ان کی نہ موت آتی ہے
کہاں کی یاد اجل ان کو بھول جاتی ہے

(۲۰۵)

زباں کے زخم یہ ہانکے پکارے گنتی ہے
سہارے جن کے ہیں ان کے سہارے گنتی ہے
جو دل میں داغ ہیں شب کو وہ سارے گنتی ہے
جہاں میں سوتے ہیں سب اور یہ تارے گنتی ہے
کوئی ہو جب تو کرے بات دل بہلنے کو
بس ایک شمع تو ہوتی ہے ساتھ جلنے کو

(۲۰۶)

تمہیں بتاؤ کہ ہجر حسنؑ میں کیا دیکھا
جو کہہ رہی ہوں وہ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا
یہ باتیں دیکھ کے مجھ دل جلی سے یہ کہنا
اسے کہو تو وہ بچہ ہے اس کا کہنا کیا
کہے وہ کچھ تو بھلا خیر ہو بھی سکتا ہے
عجب ہے تم سے کہ تم نے زمانہ دیکھا ہے

(۱)یونہی رو(۲)وہ اس کا تاروں کا گننا جہان کا سونا(۳)پچھلوں(۴)رلائے درد تو بتا

(۲۰۷)

کہا انھوں نے کہ مطلب نہ اور کچھ تھا مرا
خیال انھیں کی وصیت کا مجھ کو آیا تھا
سنا جو نام وصیت تو خود بھی یاد آیا
امام وقت کے بھی اِذن کا خطور ہوا
یہ سن کے گفت وشنو کا بھی رنج سہ نہ سکیں
سکوت ہوگیا آخر کو کچھ بھی کہہ نہ سکیں

(۲۰۸)

اشارہ ماں نے کیا اب محل ہے لو آؤ
پھوپھی ہیں، ماں سے سوا ہیں، نہ ان سے شرماؤ
اثر جو دل پہ کرے بات لب پہ وہ لاؤ
گرو قدم پہ یہی وقت ہے بڑھو جاؤ
خبر مراد کی ناشاد ماں کو دے کے اٹھو
اٹھو قدم سے مری جاں تو اذن لے کے اٹھو

(۲۰۹)

ادب سے کیجیو لیکن کلام رخصت کے
گرے ہیں کوہِ الم شاہ دیں پہ آفت کے
بتولؑ روتی ہیں آثار ہیں قیامت کے
بہادروں میں ہیں شہرے تمہاری ہمت کے
یہ جانتی ہوں کہ حق کے ولی کی بیٹی ہیں
حسنؑ کے لال ہو تم وہ علیؑ کی بیٹی ہیں

(۲۱۰)

پھوپھی کے پاؤں پہ یہ سنتے ہی گرا وہ قمر
ملی نہ راہ کوئی جب تو دل ہوا مضطر
کہا سنبھل کے بشفقت کہ اے مرے دلبر
پھوپھی نثار یہ کب تک، اٹھا قدم سے تو سر
یقین ہو تجھے کیوں کر کہ ٹوکنے کی نہیں
ترے ہی سر کی قسم اب میں روکنے کی نہیں

(۲۱۱)

ہوا یہ شور کہ لو رنگ انجمن بھی چلا
حسین و لالہ رخ و غیرت چمن بھی چلا
خزاں بہار میں آئی یہ گلبدن بھی چلا
پھوپھی نے اذن دیا دلبر حسنؑ بھی چلا
امام آئے تو سب کے لئے محل آئے
عصا کو تھام کے سجادؑ بھی نکل آئے

(۲۱۲)

کہا یہ آپ نے کیا تم نے ان کو دی رخصت
کہا انہوں نے کہ مجبور ہوگئی حضرت
نظر جو اتنے میں عابدؑ کی آ گئی صورت
کہا یہ آپ نے کی تم نے اتنی کیوں جرأت
کمال ضعف میں یہ تم سے دور تھا بیٹا
تمہیں خیال کچھ اپنا ضرور تھا بیٹا

(۲۱۳)

میں تم سے اس لئے کہتا ہوں تم میں حال نہیں
انہوں نے عرض کی مجھ کو یہ اب خیال نہیں
مرض میں کون سا صدمہ نہیں ملال نہیں
یہ کہئے اب کہ یہاں کیوں پھوپھی کے لال نہیں
کہا یہ آپ نے کب کے گذر گئے دونوں
یہ جایا چاہتے ہیں اور مر گئے دونوں

(۲۱۴)

کہا انھوں نے یہ کرتے ہیں آپ کیا ارشاد
وہ مر گئے تو انہیں کو ملے نہ اذن جہاد
کہا یہ آپ نے اب تو بر آئی ان کی مراد
مجھے بھی بھائی حسنؑ کی وصیت آ گئی یاد
کشش اجل نے جو کی رخصت وغا دے دی
مجھی پہ کچھ نہیں زینبؑ نے بھی رضا دے دی

(۲۱۵)

یہ سن کے عرض کی سمجھا میں آپ کا ایما
ہزار حیف کہ ہم سے تو یہ بھی ہو نہ سکا
خبر ہوئی نہ ہمیں ہوگیا یہاں کیا کیا
وہ کب مرے، یہ کب آئے، کب ان کو اذن ملا
وہ سب سنا تو میں یہ بھی سنوں کہ یہ کیا ہے
کھلا نہ مجھ پہ کہ سہرا یہ سر پر کیسا ہے

(۲۱۶)

کہا یہ آپ نے تم کو ہوئی نہ یہ بھی خبر
غشی غضب تھی تمہیں طرفہ تھا یہ تپ کا اثر
غرض کہ عقد ہوا شب کو اے مرے دلبر
کہ یہ بھی امر تھا درج وصیت شبرؑ
سنوگے تم ابھی کبریٰ کے بین کرنے کو
دولہن ہے حجلہ میں، دولہا چلا ہے مرنے کو

(۲۱۷)

کہا مریض نے افسوس واہ ری قسمت
کہ شب کو بیاہ ہو، اس وقت کی[۱] یہ ہو حالت
بہن ہو رانڈ، رنڈاپے کی ہو وہ کچھ صورت
سنبھالئے کہ غش آتا ہے، ہے بری نوبت
وہ گرتے ہی تھے کہ شہ کی بہن نے تھام لیا
چچا نے بھائی نے شاہ زمن نے تھام لیا

(۲۱۸)

حرم میں اور ہوئی کوک غل ہوا برپا
بنا یہ دیکھ کے دل میں کمال گھبرایا
اُسی غشی میں یہ آخر زبان پر آیا
بن حسن مرے سینے پہ رکھ دو سر اپنا
خوشی گئی تو خدنگ الم بھی پیٹھ گئے
لہو کے زور سے آخر کو اٹھ کے بیٹھ گئے

(۲۱۹)

کہا کدھر ہو، قریب آؤ، منہ دکھا بھی چکو
نگاہ رکتی ہے سہرا کہیں اٹھا بھی چکو
تڑپ رہا ہے جگر سر کو اب جھکا بھی چکو
ملا دو سینہ سے سینہ قریب آ بھی چکو
یہ فاصلہ بھی تو قسم فراق ہے بھائی
لپٹ چکو کہ یہ فرقت بھی شاق ہے بھائی

(۲۲۰)

یہ سن کے سینہ پہ سر رکھتے بڑھ گیا دولہا
کہا انھوں نے کہ افسوس چھٹتے ہو بھیا
گلے لگانے میں دل نے جو کچھ کہا وہ کیا
ملایا سینے سے سینہ تو منہ پر منہ رکھا
گلے وہ مل کے ہٹے مرنے جانا تھا جن کو
کیا[۲] جو اتنا حرج غش پھر آ گیا ان کو

(۲۲۱)

یہ زیر لب تھا کہ اے پر الم خدا حافظ
مرے مسافر ملک عدم خدا حافظ
کہے نہ قلب بھی کیوں دم بدم خدا حافظ
تم آج ہم سے چھٹے تم سے ہم خدا حافظ
جناں میں خردوں سے سارے پیام کہہ دینا
بزرگ جتنے ہیں ان کو سلام کہہ دینا

(۲۲۲)

بنے کو ماں لئے جاتی تھی کچھ[۳] بڑھائے ہوئے
کوئی تھی آنکھوں میں اشکوں کو ڈبڈبائے ہوئے
دعا میں کوئی تھی مصروف ہاتھ اُٹھائے ہوئے
اور آپ بیٹھیں تھیں زانو پہ سر جھکائے ہوئے
کہا یہ راہ میں رشک چمن سے بھی مل لو
سدھارتے ہو تو بیٹا دلہن سے بھی مل لو

---

(۱) ہو یہ حالت

(۲) ہوا (۳) وال

(۲۲۳)

سنی یہ بات تو کچھ تھم کے یہ کیا اظہار
جو حکم آپ کا ہو اس میں کیا مجھے انکار
مگر تھی قلب میں از بسکہ عجلت پیکار
کہا کسی سے کہ کہہ دے فرس رہے تیار
وبال زیست ہے کیوں دیر ناگوار نہ ہو
ہم آئیں یاں سے تو گھوڑے کا انتظار نہ ہو

(۲۲۴)

ہنوز راہ میں تھا مجتبیٰؑ کا غنچہ دہاں
میان حجلہ کسی نے کیا یہ آ کے بیاں
جو لوگ بیٹھے ہیں سن لیں کہ اور رنگ ہے یاں
دولہن سے ملنے کو آتے ہیں قاسمؑ ذیشاں
یہ شاہزادے ہیں کوئی نہ بے محل بیٹھے
جسے جسے کہ سنبھلنا ہو وہ سنبھل بیٹھے

(۲۲۵)

دولہن یہ سنتے ہی مسند پہ کچھ سنبھلنے لگی
حیا نشست کی صورت کو بھی بدلنے لگی
لہو کے تاو میں ہر آہ یوں نکلنے لگی
صدا یہ جان نے دی بس کہ اب میں (۱) جلنے لگی
خیال کرکے تو دیکھو کہ ہے نشاں میرا
تمہارے منہ پہ یہ گھونگھٹ ہے یا دھواں میرا

(۲۲۶)

کہا سکینہؑ سے کہہ آؤ، وہ نہ یاں آئیں
مناسب آنا نہیں ہے اُسی طرف جائیں
یہاں کے حال سب اچھے ہیں کچھ نہ گھبرائیں
مصیبتیں شہ والا کی دھیان میں لائیں
خیال کیسے بلاؤں میں آپ ہیں حضرت
چچا کسی کے ہیں میرے تو باپ ہیں حضرت

(۱) چلنے

(۲۲۷)

یہ کہتی ہی تھیں کہ حجلے میں آ گیا وہ حسیں
کہا نشست نے ان کا کہیں نظیر نہیں
چلن یہی تھا بزرگوں کا اور یہی آئیں
جب آئے وہ تو یہ تکیے سے ہٹ کے بیٹھ گئیں
کہا انھوں نے ہم اس کے خلاف ہیں صاحب
دلہن ہو، تم کو یہ باتیں معاف ہیں صاحب

(۲۲۸)

غرض کہ آتے (۱) ہی مسند پہ یہ بنے نے کہا
کہ یوں تو تم سے ہمیں ہے بہت ہی کچھ کہنا
مگر وہ بعد کہیں گے جو کچھ محل بھی ملا
کہو یہ پہلے تمہارا مزاج ہے کیسا
نہ آنے پر بھی امید جو اب ہے تم سے
عبث ہے شرم ہمیں خود حجاب ہے تم سے

(۲۲۹)

سبب حجاب کا اک ہو تو ہو زباں سے ادا
نہ دیکھنے تمہیں آئے نہ حال ہی پوچھا
تمہاری شکل یہ، ہم اس میں، شہ کا وہ نقشہ
کریں سکوت تو کیوں کر جو کچھ کہیں تو کیا
نہ کیوں نگاہ میں اب دن کی رات بن جائے
جو چاہو تم تو یہ بگڑی بھی بات بن جائے

(۲۳۰)

ہمارا جوڑنا ہاتھوں کا اور یہ منت
خیال اس پہ نہ تم کو ہو واہ ری قسمت
تمہیں کہو ہمیں کیوں ہو نہ اذن کی حسرت
کہ ہاتھ بھی تو بہم مل کے ہوتے ہیں رخصت
ملے ہوئے کہیں دنیا میں نام کرتے ہیں
جدائی ہوتی ہے جب ہاتھ کام کرتے ہیں

(۱) بیٹھ کے

(۲۳۱)

حیا یہ کہتی تھی حسرت سے میرے پاس سے ہٹ
وہ شرم جو نہ سہے پائے شوق کی آہٹ
زبس کہ دونوں طرف حسرتوں کی تھی جھٹ پٹ
قریب تھا کہ نگاہیں الٹ دیں خود گھونگھٹ
نہ کیوں یہ بات ہو شرموں کا[1] کام لیتی تھی
دولہن اسی سے تو گھونگھٹ کو تھام لیتی تھی

(۲۳۲)

چلو چلو وہ اجل کی وہ ان کا گھبرانا
وہ اُن کی شرم وہ باتوں میں ان کا الجھانا
وہ شوق جنگ کا ایسا کہ ہے کہیں جانا
وہ حسرتوں کا یہ کہنا کہ پھر نہیں آنا
صدا تھی عزم کی یاں سے عبث نہ مر کے اٹھو
علیؑ کے لال ہو یہ بھی جہاد کر کے اٹھو

(۲۳۳)

الجھ رہا ہے یہ دل کیوں نگاہ رکتی ہے
پڑا ہے منہ پہ یہ کیا جس سے راہ رکتی ہے
اُدھر کی بھی نظر بے پناہ رکتی ہے
الٹ بھی دو کہیں گھونگھٹ کہ آہ رکتی ہے
دھواں سا کیوں نہ ہو گھونگھٹ جو قلب جل جائے
کھلے یہ راہ[2] تو سینے سے دم نکل جائے

(۲۳۴)

غضب یہ حسرت دل بے پناہ ہوتی ہے
کہ ہر نگاہ سے گھونگھٹ میں راہ ہوتی ہے
بجا وہ گردش چشم سیاہ ہوتی ہے
کہ اک غریب کی کشتی تباہ ہوتی ہے
گھر تھے سہرے میں سہرے کے تار پُر زر تھے
جبھی تو ایک سفینہ میں لاکھ لنگر تھے

(۲۳۵)

کہا بنے نے یہ ماتھے پہ ہاتھ کو رکھ کر
تمہارے ساتھ کہاں تک جھکیں اٹھاؤ[3] تو سر
ہمیں یہ جلدی ہے، ہیں اس لئے فقط مضطر
پکارنے کو ہیں میداں کے جانے کو مادر
جو مر رہا ہو وہ کس طرح رنج سہہ جائے
صدا بھی سننے کی حسرت نہ ہم کو رہ جائے

(۲۳۶)

غضب ہے تم تو نہ دو اذن شاہ بے پر دیں
گل مراد سے دامن غریب کا بھر دیں
بچیں[4] جو آپ تو ہم جان ہی دیں نے سر دیں
تمام عمر یوں ہی بیٹھ کر بسر کر دیں
کریں تو ہم یہی لیکن جو زور چلتا ہو
نگاہ منہ پہ تمہارے ہو دم نکلتا ہو

(۲۳۷)

چچا پہ جان نہ دیں ہم کوئی ادا ہے یہ
ہر اک کہے کہ کسی کا بھی آشنا ہے یہ
تمہارے دل میں بھی آئے کہ بے وفا ہے یہ
امام کے بھی نہ کام آیا انتہا ہے یہ
یہ جتنی باتیں ہیں سوچو اگر تو سیر نہیں
تمہارے باپ ہیں میرے چچا ہیں غیر نہیں

(۲۳۸)

مقام غور ہے کس بے وطن سے منہ موڑیں
تمہیں کہو کہ امام زمن سے منہ موڑیں
خود آپ اپنے سر و جان و تن سے منہ موڑیں
اسے بھی جانے دو تم سی دلہن سے منہ موڑیں
یہی سمجھ لو کہ کیا ہے جو منہ[5] کو موڑتے ہیں
[6] بس ایسی بات ہے کوئی کہ تم کو چھوڑتے ہیں

(۱) سے (۲) کہ (۳) اٹھاؤ سر (۴) بچیں جو شاہ تو ہم اپنی جان کیوں کر دیں

(۵) موڑتے ہیں تمہیں (۶) کچھ ایسی بات ہے کوئی جو تم کو چھوڑتے ہیں

(۲۳۹)

جب ان کو ہاتھوں کو جوڑے خود آنکھ سے دیکھا
کچھ اور قسم کی آنے لگی بنی کو حیا
جہاں تھے ہاتھ وہاں سے تو ہو سکے نہ جدا
غرض کہ ہاتھوں کو اپنے دولہن نے بھی جوڑا
مراد یہ تھی کہ ہیں لونڈیاں خطا کے لئے
(۱)خجل مجھے نہ بہت کیجئے خدا کے لئے

(۲۴۰)

کچھ اور آپ نہ سمجھیں تو کہتی ہوں اتنا
پیام کس سے رنڈاپے کا واہ کیا کہنا
مگر کنیز ہوئی جب تو جائے عذر ہے کیا
وہ کیجئے جو بنے، جس میں آپ کا ہو بھلا
امید ہے تو یہ کچھ محو انتظار ہوں آپ
اِدھر غش آئے مجھے، اُس طرف سوار ہوں آپ

(۲۴۱)

یہ ذکر تھا کہ خبر آئی رخش کس آیا
صدا یہ آئی کہ اک نالۂ جرس آیا
غضب تو یہ ہوا یوں آتشیں نفس آیا
اسی قنات سے ملتا ہوا فرس آیا
سفید منہ ہوئے دونوں کو غش سا آنے لگا
فرس سوار کی بو پا کے ہنہنانے لگا

(۲۴۲)

ملا جو سایہ وہیں تھم گیا وہ رشک چمن
لیا قنات نے بھی پیار سے تہہ دامن
نگاہیں یاس کی آپس میں یاں تھیں گرم سخن
وہاں ملاتا تھا اپنے قدم سے سر توسن
مراد یہ تھی کہ دیکھو نہ خوش نہادی کو
سلام کہہ دو مرا میری شاہزادی کو

(۲۴۳)

وہ دم بخود ہوں نہ کیوں جن کا کوئی زور نہ بس
وہ شور آنسوؤں میں تھا کہ قافلہ میں جرس
یہاں یوں آنکھوں پہ رومال جس سے آئے ترس
وہاں قنات سے ماتھا رگڑ رہا تھا فرس
اشارہ یہ تھا نہ کیوں حالت اضطراب کی ہو
اندھیری[۲] منہ پر اگر ہو تو اس حجاب کی ہو

(۲۴۴)

مراد اور بھی اس کی تھی جب یہ تھی حالت
حضور جانتے ہیں واں ہے فوج کی کثرت
کئی سن بھی ہے یاں پیاس کی بھی ہے شدت
نہ دیجئے گا مرے شاہ زادے کو رخصت
مراد لیجئے اپنی مری دعا لیجے
کھڑے ہوئے ہوں جو چلنے کو تو بٹھا لیجے

(۲۴۵)

غرض فرس کی صدا سن کے ان کو غش آیا
بنا ہوا متردد کہ اب کروں میں کیا
یہ سوچ میں تھے کہ ڈیوڑھی سے دی یہ ماں نے صدا
بن حسنؑ مجھے ہوتا ہے دیر سے دھڑکا
خیال یہ بھی کرو ہوشیار ہو بیٹا
میں کہہ رہی ہوں کہ اٹھو سوار ہو بیٹا

(۲۴۶)

میں سنتی ہوں کہ بڑھی آتی ہے سپاہ دغا
اٹھے یہ سنتے ہی، زانو سے سر زمیں پہ رکھا
مگر گذر گئی جو دل پہ اس کا کہنا کیا
کہا سکینہ سے اٹھیں تو ان سے کہہ دینا
تمہارے باپ کی حالت پہ صبر کر نہ سکے
کچھ ایسی پائی خبر جس سے ہم ٹھہر نہ سکے

(۱) گناہگار نہ کیجیے مجھے خدا کے لئے

(۲) اندھیرے

(۲۴۷)

یہ کہہ کے ڈیوڑھی کی جانب چلا وہ ماہ لقا
کہا قضا نے کہ یہ بھی کسی کا ہے جگرا
یہ عزم ہے یہ ارادہ یہ ہمت والا
سوا علیؑ کے گھرانے کے ہے یہ دل کس کا
دلہن کو کون سی حالت میں نامراد کیا
یہ تھا جہاد اسے کہتے ہیں جہاد کیا

(۲۴۸)

سلام کے لئے جب ہاتھ بھی شتاب اٹھا
جگر میں ماں کے غضب دردِ اضطراب اٹھا
غرض کہ ہر قدم شوق سوئے باب اٹھا
ورق الٹ گیا اس گھر کا یا حجاب اٹھا
کہا یہ خیمے نے ہر قلب کا سرور یہ تھا
جو میری چشم کے پردے میں تھا وہ نور یہ تھا

(۲۴۹)

ہوئے نکل کے جو خیمے سے حاضر حضرت
کہا کہ آپ کے اقبال سے ملی رخصت
جو حکم ہو تو غلام اب ہو راہیٔ جنت
کہا یہ آپ نے بہتر، جو خواہش قسمت
بہر طریق ہوا وہ جو ہونے والا تھا
اس لئے تو تمہیں گودیوں میں پالا تھا

بقیہ۔۔۔۔شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مومن

وہ روشنی دے دی جسے لاکھوں یزید مل کر بھی اب کبھی نہیں بجھا سکتے اور اپنے خون سے انسانیت کی لوحِ شعور پر تحریر کر گئے کہ سچے مومن کا مطلوب ومقصود مادّی سلطنت واقتدار نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اس کا مطلوب ومقصود راہِ خدا میں قربانی اور شہادت کی لازوال عزت کا حصول ہوتا ہے۔ وَسَیَعْلَمَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔ (سورہ الشعراء: ۲۲۷)

❁❁❁

بقیہ۔۔۔۔معرکۂ کربلا کی شخصیتوں کا انتخاب

منسوب جتنی بھی نشانیاں ہیں مثلاً گھوارہ، تابوت، ذوالجناح اور خاص طور پر یہ سب نشانیاں اپنے اندر شجاعت کی داستانیں لئے ہوئے ہیں۔ جناب عباسؑ کے علم کی شبیہ اٹھانے والا بہت سوچ سمجھ کر یہ علم اٹھائے یہ کوئی رسمی کاروائی نہیں ہے بلکہ یہ علم اٹھانا اس بات کا اعلان ہے کہ دین کے پرچم کی سربلندی کے لئے جب تک بازو سلامت ہیں اور جسم میں طاقت ہے یزیدیت کے مقابلے میں ڈٹے رہنا ہے۔

خدانخواستہ، خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ جب آزمائش کا میدان آئے تو۔۔۔۔۔۔

❁❁❁